ہو سکتا ہے؛ فقط وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

مودودی مسلک

سوال :- ۱۔ مذہب حنفیہ میں جو مقام روایت کا بھی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اس کی دلیل میں مولانا مودودی کا مسلک اعتدال والا مضمون پیش کیا گیا ہے!

۲۔ مولانا مودودی کا یہ نظریہ کس حد تک قابل برداشت ہے؟

۳۔ اہلحدیث اور احناف کے نقطہ نظر سے کن اشخاص کو روایت حدیث اور مصنفین حدیث کی کتب پر جرح و تعدیل کرنے کا حق ہے؟

۴۔ مولانا مودودی نے احادیث اور کتب احادیث پر جس انداز سے بحث کی ہے کیا ان سے قبل بھی ایسا ہوا عیسٰی بن ابان کا یہ نظریہ تو نہیں تھا؟

نیز مولانا مودودی نے ترجمان القرآن ماہ مئی ۵۵ء کے صفحہ ۱۲۳ پر فرمایا ہے۔ کہ :-

ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اسے بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں ہے۔ کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عاید ہوتا ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔ نہ فن حدیث کے نقطہ نظر سے کسی حدیث کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کا مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو۔ مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے مان لیا جائے سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بھی ایسے اسباب ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جنکی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے۔ کہ یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں اس لئے سند کے ساتھ متن کا دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر متن میں واقعی کوئی قباحت ہو تو پھر اس کی صحت میں خواہ مخواہ اصرار کرنا صحیح نہیں۔ آگے چل کر فرماتے ہیں ـــــ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لئے اصرار کریں۔ کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے۔ اس طرح کی افراط پسندیاں معاملہ کو بگاڑ کر اس تفریط تک پہنچا دیتی ہیں جس کا مظاہرہ منکرین حدیث کر رہے ہیں۔

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کسی روایت کو قوی تصور کر کے بھی قبول نہ کرنا کوئی معنی رکھتا ہے۔ سند کے قوی ہونے کے بعد تو چھان بین کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ صاحب قرآن کے الفاظ پر جرح ہو جو میرے خیال میں کسی طرح بھی جائز نہیں۔ آپ تفصیل سے سمجھائیں کہ سند کے قوی ہونے کے باوجود وہ کون سے ایسے اسباب ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے؟

بخاری اور مسلم کے قطعی طور پر صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہے مگر ان کے متعلق بھی ایسے الفاظ استعمال کرنا کیا ان کی عظمت پر چوٹ نہیں؟

فضل حق قریشی ہاشمی کلرک محکمہ جمہوری حیوانات میانوالی

جواب :- امت مسلمہ اور جماعت اسلامی یہ دونوں کیسے پیارے نام ہیں مگر ان کے تحت جو ہو رہا ہے وہ دشمنی اسلام ہے پہلا فرقہ تو منکر حدیث ہے کلام الٰہی کے ساتھ اپنی رائے سے کھیل رہا ہے اور حدیث جو قرآن کی تفسیر ہے اس کا مذاق اڑا رہا ہے اور دوسرے نے مرزائی چال اختیار کر رکھی ہے ظاہر اقرار اندر سے انکار۔

مرزا غلام احمد نے صحت حدیث کی یہ شرط رکھی تھی کہ میری وحی کے موافق ہو اور مودودی نے یہ شرط رکھی ہے کہ میرے نزدیک وہ صحیح ہے جو میرے ذوق کے موافق ہو گمراہ فرقے اس طرح لیبل اچھا لگا کر گمراہی پھیلاتے ہیں، رافضی شیعان علی کہلاتے ہیں معتزلہ اہل العدل والتوحید مرزائی احمدی منکرین حدیث امت مسلمہ اور مودودی جماعت اسلامی وغیرہ جن فرقوں کے ظہور کو کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ ان کی گمراہی کا پردہ تو چاک ہو چکا ہے مگر مودودیت نے ابھی ابھی جنم لیا ہے۔ اس سے وہ پردہ اعتقاد میں ہے عوام تو کجا کئی خواص بلکہ کئی مولوی بھی اس کو سراہتے ہیں جس سے یہ فتنہ دن بدن زور پکڑ رہا ہے یہاں تک کہ کئی مولوی اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس وقت علمائے حقانی کا فریضہ ہے کہ اس کا استیصال کریں اور لوگوں کو اس گمراہی سے بچائیں اب نمبروار جواب ملاحظہ ہوں۔

۱۔ روایت اور درایت

اہلسنت کے کسی فرقے کا یہ مذہب نہیں ہے کہ روایت اور درایت کا درجہ مساوی ہے بلکہ حنفیہ تو ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں جیسے حنفیہ کے نزدیک قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ وضو نہ ٹوٹے کیونکہ ان کے نزدیک نجس شے کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے جیسے نکسیر پھوٹنا۔ قے ہونا وغیرہ اور قہقہہ تو کوئی نجس شے نہیں، اس سے وضو ٹوٹنا قیاس کے خلاف ہے اور دلیل اس کی ایک ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں کہ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے ایک نابینا گڑھے میں گر پڑا صحابہؓ دیکھ کر ہنس پڑے آپ نے انکو وضو لوٹانے کا حکم دیا۔

اسی طرح حنفیہ کا مذہب ہے کہ کھجوروں کے شربت سے وضو جائز ہے اور دلیل اس کی ایک ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کے شربت سے وضو کیا۔ حالانکہ یہ بھی قیاس کے خلاف ہے۔ ایسی طہارتوں کے لئے خدا تعالیٰ نے پانی مقرر کیا ہے، اور شربتوں کا حکم پانی کا نہیں۔ ورنہ دوسرے شربتوں (شربت بنفشہ وغیرہ) سے بھی وضو جائز ہوتا۔ غرض ایسے بہت سے مقامات ہیں جہاں حنفیہ نے ضعیف حدیث کی وجہ سے قیاس ترک کر دیا ہے۔

عیسیٰ بن ابان

رہا عیسےٰ بن ابان کا مذہب تو اس کو بھی مودودی کے نظریہ سے کوئی تعلق نہیں۔ مودودی کا نظریہ یہ ہے کہ ذوق سے صحیح حدیث کی تردید ہو سکتی ہے۔ اور ذوق کی تشریح آپ نے یوں کی ہے کہ متن حدیث کی قباحت پکار رہی ہو کہ یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی نہیں جیسے منکرین حدیث مظاہرہ کر رہے ہیں اور عیسیٰ بن ابان کا نظریہ یہ ہے کہ عام آیتوں حدیثوں سے جو ایک عام اصول ثابت ہو۔ وہ برقرار رکھا جائے اور کسی خاص حدیث سے جو مسئلہ اس عام اصول کے خلاف ثابت ہو، اس کو ترک کر دیا جائے گا۔ مگر اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس خاص حدیث کا راوی غیر فقیہ ہو۔ جیسے ابوہریرہؓ اور انسؓ وغیرہ اگر راوی فقیہ ہو تو پھر یہاں عام اصول ترک کر کے خاص حدیث پر عمل ہوگا۔

عام اصول کی مثال انہوں نے یہ دی ہے کہ کسی کی شے تلف ہو جائے اور وہ بھری پڑے تو اس کا بازاری نرخ لگا کر قیمت دے دی جاتی ہے عام طور پر قرآن و حدیث کی ہدایت یہی ہے۔ مگر ایک خاص حدیث اس کے خلاف آتی ہے۔ وہ یہ کہ لوگ لیاری فروخت کرتے ہیں تو ایک دو دن اس کا دودھ دوہنا بند کر دیتے ہیں تاکہ دودھ زیادہ دکھائی دے اگر دودھ کم ہو جائے تو اس کو واپس کر سکتا ہے مگر تین دن کے دودھ کے عوض کھجوروں کا ایک صاع ساتھ دے۔

حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ دودھ کی بازاری قیمت اس وقت کے لحاظ سے لگا کر دے دی جائے اس حدیث کے راوی ابوہریرہؓ ہیں۔ ان کو غیر فقیہ بنا کر اس عام اصول کی آڑ لے کر ان کی اس حدیث کو ٹالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے۔ مگر عیسیٰ بن ابان پر اہل سنت کے تمام فرقوں کی طرف سے اعتراضات کی اتنی بوچھاڑ ہوئی کہ اس کا ناطقہ بند کر دیا۔ خود حنفیہ نے اس کے چھکے چھڑا دیے چنانچہ فیض الباری شرح بخاری مولانا انور شاہ کشمیری جلد ۳ صفحہ ۲۳۴ اور تحریر امام ابن الہمامؒ مع اس کی شرح ابن امیر الحاج باب السنۃ وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے اس کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی خوب تردید کی ہے تردید کے کئی پہلو ہیں۔ مثلاً

ابوہریرہؓ اور انسؓ ایسوں کو غیر فقیہ کہنا یہ واقعہ کے خلاف اور سراسر ظلم ہے کیونکہ یہ مُفتی تھے اور مفتی غیر فقیہ نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں انسؓ کی احادیث تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچ گئی ہیں تلقیح ابن الجوزی وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی احادیث کی تعداد ۵۳۷۴ لکھی ہے اور حضرت انسؓ کی ۲۲۸۶ تو پھر ان کو غیر فقیہ کہنا بڑا ظلم ہے۔

متواترا احادیث کے علاوہ سب احادیث خبر آحاد ہیں جن کو ظنی کہتے ہیں، اور ظنی وہی ہے جس میں غلطی ممکن ہے پس اس طرح ہر صحابی کی حدیث رد ہو سکتی ہے خواہ ابوہریرہؓ ہوں یا کوئی اور۔

۲. مودُودی کا نظریہ

اس سوال کا جواب اُوپر آچکا ہے۔ کہ حنفیہ درایت کو روایت کا درجہ نہیں دیتے چنانچہ قہقہہ اور نبیذ تمر (کھجوروں کے شربت) سے وضو کی مثال گذر چکی ہے۔

اور محدثین تو مودُودی کے نظریہ سے کوسوں دُور ہیں۔ کیونکہ اہل الرائے سے ان کو نفرت ہے تو درایت (جو رائے کی قسم سے ہے) کو روایت پر کس طرح مقدم کر سکتے ہیں۔

۳. مسئلہ جرح وتعدیل

جرح تعدیل تاریخ کی قسم سے ہے اور تاریخ اُس وقت کے لوگوں کی یا قریب کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے۔ پچھلے لوگ نقال ہوتے ہیں۔ اس لیے پہلے لوگوں کے خلاف کسی کی جرح تعدیل کا اعتبار نہیں۔ اس کے لئے مقدمہ ابن الصلاح کا مطالعہ مُفید رہیگا۔ انشاء اللہ

مودودی صاحب کو بھی اس سے انکار نہیں وہ تفہیمات میں فرماتے ہیں۔

(الف) تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں۔ وہ سب اس گروہ محدثین نے استعمال کئے ہیں۔ اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کئے ہیں کہ کسی اور تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ درحاصل یہی چیز اس کا یقین دلاتی ہے۔ کہ اس عظیم الشان خدمت میں اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی ہے۔ اور جس نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے۔ اس نے اپنے آخری نبی کے نقوش قدم اور آثار ہدایت کی حفاظت کے لیے بھی وہ انتظام کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ تفہیمات ص ۲۹۰

(ب) دُنیا میں زمانہ گذشتہ کے حالات کا کوئی ذخیرہ اتنا مستند نہیں جتنا کہ حدیث کا ذخیرہ مستند ہے۔ تفہیمات ص ۲۹۲

(ج) کُتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ میں اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ کتابیں انہی بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں، نہ اس میں شبہ ہے کہ ہر حدیث کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ

ہے یا نہ؛ لہٰذا ان کتابوں کے ذریعہ سے حدیث کا وہ علم قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا ہے۔ ترجمان القرآن جون ۱۹۳۴ء و تفہیمات ص ۲۸۳

(د) اگر روایات حدیث نہ ہوتیں، تو ہماری مذہبی زندگی کے جتنے اعمال اور جتنے اصول و قوانین ہیں یہ سب کے سب بے سند ہو کر رہ جاتے ہیں نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے اعمال جس صورت میں ادا کئے جاتے ہیں، ان کے متعلق ہم نہ بتا سکتے کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کئے ہوئے طریقوں پر ہیں۔ تفہیمات ص ۳۹۶/۳۹۷

مودودی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ انسانی امکان میں جتنے معتبر ذرائع ہیں وہ سب محدثین نے استعمال کر لئے ہیں، اور اسی لئے یہ ذخیرہ سب (دوسرے تاریخی) ذخیروں سے زیادہ مستند ہے۔ یہاں تک کہ یہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اور اب اس میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں، نہ اس میں شبہ ہے کہ یہ کتابیں صحاح ستہ وغیرہ انہی بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں، نہ اس میں شبہ ہے کہ ہر حدیث کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہے۔ لہٰذا یہ علم حدیث قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا۔ اب اس پر کوئی جرح یا تنقید کرے تو وہ انسانی امکان سے بالاتر ہو کر کر سکتا ہے۔ اور وہ منصب وحی ہے اور وحی کا سلسلہ چونکہ منقطع ہے اس لئے جرح تنقید کا معاملہ بھی ختم ہے۔ اس بنا پر سائل کا یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ کہ سند کے قوی ہونے کے بعد اُسے چھان بین کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کہ صاحب قرآن کے الفاظ پر جرح ہو۔ جو میرے خیال میں کسی طرح بھی جائز نہیں، سائل نے جس خیال کا اظہار کیا ہے۔ اہل سنت کا موقف تو یہی ہے یہاں پہنچ کر وہ اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں، اور سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور آمنا و صدقنا کہتے ہوئے تعمیل حکم کے میدان میں اُتر آتے ہیں لیکن مودودی صاحب کی گاڑی چونکہ آج کل چڑھی ہوئی ہے۔ اور نہ ان کی درایت ذرا زیادہ بلندی پر پرواز کر رہی ہے اس لئے وہ سند کے قوی ہونے کے بعد بھی کئی طرح کے خدشات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جیسے اوّل قائس نے کہا تھا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (مجھے تُو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے تو پیرا سجدہ اس کے لئے سراسر درایت کے خلاف ہے) چنانچہ جواب نمبر ۲ میں اس کی کچھ وضاحت آ گئی ہے۔

مودودی کا طرزِ عمل

مودودی صاحب نے جس انداز سے بحث کی ہے یہ منکرین حدیث کا انداز ہے جیسے بن ابان کا یہ انداز نہیں، بلکہ دین سے متعلق ان کا تو یا اسناد اسلسلہ ہی

گمراہ کن ہے۔ احادیث کو آپس میں اور قرآن شریف کے ساتھ ٹکرانا اور ان میں اختلافات پیدا کر کے ان کی قدر گرانا اور پھر ان کی تردید کرنا یہ ان کی عام عادت ہے۔ اس کے علاوہ حجامت اور لباس کے متعلق جو احادیث آئی ہیں۔ ان کے متعلق محدثینؒ پر سخت حملہ کیا ہے۔ کہ وہ ان کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے۔ لباس وضع قطع شریعت میں داخل نہیں، بلکہ عادات کی قسم سے ہیں۔ محدثینؒ نے ان کو شریعت قرار دینے میں غلطی کی ہے۔ ایسے ہی دجال وغیرہ کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلطی پر کہتا ہے۔ کہ آپ معاذ اللہ دجال کو نہیں سمجھے۔ گویا قریب قریب مرزائیوں والا خیال ہے۔ بلکہ ان سے بھی ترقی کر گئے ہیں چنانچہ مودودی کے اصل الفاظ جو حدیث دجال ذکر کر کے لکھتے ہیں یہ ہیں۔

کانا دجال تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ (ترجمان القرآن جلد ۲۰ نمبر ۳ صفحہ ۱۸۱ بابت)

تمیمؓ داری کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معین شخص کو دجال فرمایا ہے اس کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

"کیا تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا۔ کہ حضورؐ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا"

(ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد ۲۰ نمبر ۳ صفحہ ۱۶۲/۱۶۳ بابت ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق فروری ۱۹۴۶ء)

نیز تمیم داری کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے نکلنے کی جہت معین کر دی ہے کہ مشرق کی جانب سے نکلے گا اور علاقوں کا نام مبہم کر دیا ہے اور بعض احادیث میں خراسان اصفہان کا نام بھی آیا ہے اور تمیم داری کی حدیث میں جس معین شخص کو آپ نے دجال قرار دیا ہے وہ ایک جزیرہ میں مقید تھا جس سے ثابت ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہو چکا ہے مگر مودودی صاحب دجال کے متعلق اس قسم کی احادیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارہ میں آپ خود شک میں تھے۔ (حوالہ مذکورہ)

غرض اس قسم کی خرافات اس کی بہت ہیں جن کو سن کر یا دیکھ کر ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کی تحریر اور چرب زبانی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کا لٹریچر اسلام اور شریعت مطہرہ کے لئے سخت خطرناک ہے۔ خدا اس سے بچائے اور اپنے دین کی حفاظت کرے۔ آمین

نیز سند کے قوی ہونے کے بعد بھی مودودی صاحب کی روایت کے لئے پانچ لٹے لگے ہیں جن کی تفصیل

حسب ذیل ہے۔

پہلا راستہ

محدثینؒ اور فقہاءؒ کے فہم پر حملہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے جو مومنوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا اس کو ہم پھیر دیتے ہیں جدھر پھرے۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ۔ میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی بلکہ ایک نہ ایک فرقہ ضرور حق پر رہے گا اور ظاہر ہے کہ وہ محدثین و فقہاء ہیں۔ لیکن مودودی صاحب کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ سب گمراہ ہوں اور ہم ہی حق پر ہوں۔ چنانچہ مودودی صاحب کا خیال ہے کہ محدثینؒ و فقہاءؒ نے عادات نبوی کو سُنت سمجھ کر اس بارے میں احادیث جمع کیں۔ یہ انہوں نے غلط رویہ اختیار کیا ہے کیونکہ یہ کوئی شرعی چیز نہیں جس کی اتباع کے ہم مامور ہیں۔ چنانچہ مودودی کے اصل الفاظ یہ ہیں میں اسوہ اور سنت اور بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بالعموم آپ حضرات کے ہاں رائج ہیں۔

رسالہ ترجمان القرآن مئی و جون ۱۹۴۵ء

ڈاڑھی

آپ کا یہ خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے۔ اتنی ہی بڑی ڈاڑھی رکھنا سنتِ رسُول ہے یا اُسوہ (پیروی) رسول ہے یہ معنے رکھتا ہے۔ کہ آپ عاداتِ رسُول کو بعینہٖ وہ سنت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جاتے رہے ہیں۔ مگر میرے نزدیک یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں ہے۔ بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریف دین ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

قارئین کرام! ہم تو ڈاڑھی کے مسئلہ میں خلاف رسُول کرنے والے کو بُرا بھلا کہتے ہیں یہاں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والا حساب ہے۔ اور پھر اتنے پر بس نہیں۔ بلکہ عمومیت کے ساتھ اس قسم کی تمام چیزوں کو سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریف دین بتلایا جا رہا ہے اس بنا پر انسان آزاد ہے جس قسم کی چاہے حجامت بنوائے جیسی وضع قطع چاہے اختیار کرے۔ انگریزی بال رکھے انگریزی لباس ہیٹ پتلون وغیرہ زیب تن کرے۔ شلوار یا تہ بند ٹخنوں سے نیچے رکھے یا اُوپر۔ کسی چیز میں کفار یا فُساق و فُجار کے ساتھ تشبّہ ہو اس کی بھی اجازت ہے۔ فطرت اور سنت انبیاء علیہم السّلام کی مخالفت کا بھی کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فرماتے ہیں۔ دس باتیں فطرت (اسلام) سے ہیں۔ لبیں[1] کٹانا۔ داڑھیاں[2] چھوڑنا۔ مسواک[3] کرنا۔ وضو[4] کے وقت ناک میں پانی چڑھانا۔ ناخن[5] کٹوانا۔ وضو[6] کے وقت انگلیوں کے جوڑ دھونا۔ بغلیں[7] اکھیڑنا۔ زیرِ ناف[8] بال لینا۔ استنجا[9] کرنا۔ وضو کے وقت کُلّی کرنا۔ ایک حدیث میں داڑھی کی جگہ ختنہ کا ذکر ہے۔ اور ترمذی میں حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سُنتوں سے ہیں حیا۔ ختنہ۔ مسواک۔ نکاح۔

اگر کوئی صاحب جذبہ سنّت کے تحت ان چیزوں کی پابندی اور اصرار کریں تو یہ مودودی صاحب کے نزدیک سخت ترین بدعت اور خطرناک تحریفِ دین ہوگی۔

مودودی صاحب نے بیک جنبشِ قلم ان تمام دفتروں پر پانی پھیر دیا۔ بلکہ اتباعِ رسُول سمجھ کر ان پر ہمیشگی اور اصرار کرنے والے کو سخت قسم کا بدعتی اور دینِ الٰہی کا خطرناک محرّف قرار دیا۔

قارئین کرام! آپ کو معلوم ہے۔ کہ اس کی زد کہاں پڑتی ہے؟ معاذ اللہ خیر قرون صحابہؓ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ پر۔ بلکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام ایسی مبارک ہستیوں پر پہنچی ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

مجدّد

علاوہ ازیں اور سُنیے حدیث میں ہے۔ کہ ہر صدی کے سرے پر مجدد ہوں گے جو دین کی تجدید کریں گے۔ اور مری ہوئی سُنتوں کو زندہ کریں گے۔ مودودی صاحب نے جہاں سنّت بدعت کا معنی بدلا ہے۔ وہاں مجدد کے معنی پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے۔ اور کوشش کی ہے۔ کہ اس حدیث کو اپنے اُوپر چسپاں کریں۔

”نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں۔ کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا۔ بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی“ (ص۳۳ سطر۵)

”وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر (School of thought) پیدا کرے گا۔ ذہنیتوں کو بدلے گا۔ ایک زبردست تحریک اٹھائے گا۔ جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی۔ جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کرے گی۔ مگر بالآخر وہ جاہلی اقتدار کو اُلٹ کر پھینک دے گا۔ اور ایک ایسی زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کرے گا۔“

دوسرا راستہ

مودودی صاحب کی درایت کا فلسفیانہ عقل ہے۔ فلسفیانہ عقل کا ایمان بالغیب بہت کمزور ہوتا ہے۔ وہ اسی کو مانتی ہے جو اس میں سما سکے، جو اس سے بالاتر ہو۔ اس میں اس کا رجحان دو چیزوں کی طرف ہوتا ہے یا سرے سے انکار یا تاویل و تحریف۔

پھر اس میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو زیادہ غلو کر جاتے ہیں۔ جیسے سید احمد نیچری نے تفسیر لکھی، تو قرآن مجید کے تمام معجزات و خرق عادات کی تاویل کر ڈالی۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا کے ساتھ پتھر کو مارنا اور اس سے ۱۲ چشمے پھوٹ پڑنا کا مطلب یہ بیان کیا کہ عصا ٹیک کر پہاڑوں میں چلے کہیں اتفاقاً بارہ چشمے مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ کو خواب میں سیر کرائی گئی۔ ملائکہ اور شیاطین سے مراد نیک اخلاق اور بد اخلاق ہیں۔ یہاں تک کہ جنت اور دوزخ بھی روحانی معاملہ ہے روحوں کی خوشی اور تکلیف ہی جنت و دوزخ ہے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اتنے غلو میں تو نہیں گئے۔ لیکن وہ آدھا تیتر آدھا بٹیر بنے رہتے ہیں۔ جیسے مرزائی وغیرہ۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کا جسم سمیت اٹھائے جانا اس کو نہیں مانتے۔ پھر ان کا دو فرشتوں کے کندھوں پر آسمان سے نزول پھر شرقی منارہ دمشق سے سیڑھی لگا کر زمین پر آنا۔ اس سے بھی انکار ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے سانس ہی سے کافر مر جائیں گے اور سانس ان کا وہاں تک پہنچے گا جہاں ان کی نظر پہنچے گی۔ ان سب باتوں سے فلسفیانہ عقل والے منکر ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسمانی ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کا ذبح ہو کر زندہ ہونا۔ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کا موم ہونا۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی دس ماہ کی حاملہ کا پتھر سے پیدا ہونا مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھلوں کا آنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کی آنکھ پھوڑنا۔ مائی حوا علیہا السلام کا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونا۔ اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جن سے کہیں صریح انکار ہے کہیں تحریف و تاویل کا دور دورہ ہے۔

دجال

اس طرح مودودی صاحب دجال کے منکر ہیں حالانکہ دجال کے متعلق بکثرت احادیث موجود ہیں۔ جن میں بہت سے خرق عادات کا ذکر ہے۔ مثلاً اس کے ساتھ جنت و دوزخ ہوگا۔ مگر درحقیقت دوزخ جنت ہوگا اور جنت دوزخ اور اس کے حکم سے آسمان سے بارش ہوگی زمین سے انگوریاں اگیں گی۔ مردے زندہ ہوں گے زمین کے خزانے اس کے پیچھے لگیں گے۔ جس گدھے پر سوار ہوگا وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے دونوں کانوں کے درمیان ایک سو چالیس گز کا فاصلہ ہوگا۔ غرض اسی قسم کی عادات

دجال کی بحث ہیں، جن کی بناء پر وہ لوگوں سے اپنا آپ ہونا منوائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ (جس سے ہر نماز میں پناہ مانگی جاتی ہے اور) اس سے ہر نبی نے ڈرایا ہے مگر میں تمہیں ایک نشان بتلاتا ہوں، جو دوسرے انبیاء علیہم السلام نے نہیں بتایا وہ کانا ہوگا تمہارا رب کانا نہیں نیز اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوگا، ہر مومن پڑھے گا خواہ پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ آدم سے لے کر قیامت تک اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں۔

اسی کے متعلق مودودی صاحب ارشاد فرماتے ہیں، کہ کانا دجال تو افسانے ہیں، جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ اور اس سے مودودی صاحب نے اپنا استعمال کر لیا ہے کہ جب کسی خرق عادت سے انکار کرنا چاہا فلسفیانہ عقل کا سہارا لے لیا، اور صحیح اور قوی السند احادیث میں شکوک پیدا کرنے شروع کر دیئے۔

چنانچہ سائل نے اپنے سوال میں مودودی صاحب کی اس قسم کی چند عبارات نقل کی ہیں، جن میں صحیح احادیث کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آگے چل کر ہم بھی اس قسم کی چند عبارتیں نقل کریں گے۔ انشاء اللہ

تیسرا راستہ

مودودی صاحب کا تیسرا راستہ تاریخ ہے۔ تاریخ وہ علم ہے، جس سے حوادث زمانہ ماضیہ کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان کی ترتیب معلوم ہوتی ہے مورخ کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ واقعات عالم کی جستجو کرے۔ اور ان کو اس ترتیب سے جمع کرے جس ترتیب سے وہ دنیا میں رونما ہوئے ہیں، پھر آگے مورخین کے نظریئے مختلف ہوتے ہیں، کوئی تو صرف بادشاہوں کی تاریخ لکھتا ہے۔ کوئی تاریخ اعیان (بڑی شخصیتوں کی تاریخ) کوئی تاریخ مذاہب کوئی تاریخ اقوام کوئی "تاریخ السنۃ" وغیرہ وغیرہ پھر ان میں کئی خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً تاریخ شاہان عرب۔ تاریخ شاہان ہند۔ تاریخ یونان۔ "تاریخ بغداد" وغیرہ۔

اسی طرح تاریخ اسلام۔ تاریخ عیسائیت۔ تاریخ ہندوازم وغیرہ ایسے ہی تاریخ علماء اہلحدیث تاریخ علماء احناف یا شوافع وغیرہ جن کو زیادہ تر تراجم سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی قسم سے علم اسماء الرجال ہے یعنی راویان حدیث کے حالات کا ذخیرہ۔ لیکن ان میں محدثین نے زیادہ تر وہی حالات قلم بند کئے ہیں جن کو حدیث کے صحت وضعف سے تعلق ہے۔ کیونکہ اسی غرض سے وہ لکھے گئے ہیں، اور جو کچھ انہوں نے قلم بند کیا، اس سے زیادہ کوئی قلم بند نہیں کر سکتا، جس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ یہ "تاریخ" کا حصہ ہے۔ اور تاریخ میں اس وقت کے لوگوں نے یا قریب کے لوگوں نے حوادث زمانہ کا جو کچھ ذخیرہ جمع کیا ہوتا ہے پچھلے لوگوں کے لئے صرف وہی ذریعہ معلومات ہے اس کے بغیر (بلا واسطہ) تسلی بخش کوئی

ذریعہ نہیں۔ اس لئے اسی ذخیرہ پر اعتماد کلی کرنا پڑتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صحت و ضعف کا معاملہ بڑا اہم ہے۔ اور اسی پر دین کا دارومدار ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے محدثین نے اس معاملے میں انتہائی کوشش کی ہے اور اس غرض کی تکمیل کیلئے تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں وہ سب استعمال کئے ہیں۔ اور ایسی سختی سے استعمال کئے ہیں کہ کسی اور تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اب جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں بھی حق حاصل ہے کہ ہم کسی متفقہ صحیح حدیث کی اسناد میں بحث کریں۔ جیسے امام دارقطنی وغیرہ نے بخاری و مسلم کی بعض احادیث پر بحث کی ہے۔ وہ درحقیقت ان حقائق بالا سے ناواقف ہیں۔ وہ نہیں دیکھتے کہ امام دارقطنی وغیرہ بھی انہی محدثین سے ہیں جن کے ہاتھ پر یہ فن پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔ کیونکہ یہ اسی زمانے کے آدمی ہیں۔ اور جرح تعدیل کے امام ہیں۔ اگر ان لوگوں کی آپس میں یہ بحثیں اور تبادلہ خیالات نہ ہوتے تو یہ فن ادھورا رہ جاتا۔

مثلاً امام بخاریؒ نے ایک حدیث پر حکم لگایا کہ یہ متفقہ صحیح ہے۔ دوسرے نے کہا کہ یہ متفقہ صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں فلاں عیب ہے۔ اب اس بحث مباحثہ میں ہزاروں محدثین کی تحقیقی نظر اس حدیث پر پڑی کسی نے اس پر اعتراض کیا کسی نے اس کا جواب دیا اس چھان بین سے ایک محقق کے لئے راستہ کھل گیا کہ وہ راجح یا مرجوح معلوم کر سکے لیکن اس بحث مباحثہ سے بہت بڑا ایک نتیجہ اور نکلا۔ وہ یہ کہ جس حدیث پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا، اس کی صحت مستحکم ہو گئی۔ اور وہ یقیناً صحیح قرار پائی۔ اور سب محدثین اس کی صحت پر متفق ہو گئے۔ کیونکہ اگر اس میں کچھ گنجائش ہوتی تو وہ بھی زیر بحث آجاتی۔

کتاب بخاری و مسلم

کا مقام چونکہ صحت میں بہت بلند ہے یہاں تک کہ ان کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے خاص کر بخاری اس میں اول نمبر ہے۔ اس لئے جو حدیث کی شان گھٹانا چاہتا ہے۔ وہ ان دونوں بالخصوص بخاری کو نشانہ بنالیتا ہے۔ تاکہ ان کی شان گھٹنے سے سارا فن حدیث ہی کمزور ہو جاتے۔ مگر جس کو خدا بڑھاتے اس کو کون گھٹائے۔ جو خدا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی گود میں پال سکتا ہے، وہ زہر سے تریاق کا کام بھی لے سکتا ہے چنانچہ یہاں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ جو اعتراض ہوتا ہے، وہ معترض پر الٹ جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک مثال تو یہی ہے کہ جس بحث سے گنجائش نکالنی چاہی وہی الٹی پڑ گئی۔

دوسری مثال بخاری مسلم کا مطالعہ ہے خاص کر بخاری کا۔ جون ۱۹۵۵ء میں حدیث کے متعلق لاہور میں

مولانا مودودی صاحب نے تقریر کی۔ اس تقریر کا اقتباس جماعت اسلامی کے اخبار ہفت روزہ منیر لائل پور میں شائع ہوا۔ اس میں بخاری وغیرہ کی نسبت لکھا ہے۔ صحیح بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہی جاتی ہے۔ اس کی احادیث کو بھی فرداً فرداً جانچنے کا حق تسلیم کیا گیا ہے اور اہل علم نے اس کی احادیث کے بارے میں کلام کیا ہے۔ یہ کلام اگر دلائل کی بناء پر ہوگا بہرحال بخاری شریف کی احادیث یا دوسری احادیث کے مجموعوں کی روایات پر مسلّمہ قواعد کے مطابق تنقید کرنا ہر صاحب علم کا حق ہے۔ (المنیر ہفت روزہ جلد ۴ نمبر ۲۲/۲۴ مورخہ ۱۷ شوال ۱۳۷۴ھ
مطابق ۱۰ جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ کالم ۲)

اس کے بعد کے پرچہ میں مودودی صاحب کا خط شائع ہوا۔ اس میں مودودی صاحب نے بخاری کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"آج اگر کوئی اس (بخاری) کی احادیث پر تنقید کرے۔ تو محض اس بناء پر کہ وہ بخاری کی احادیث پر کلام کر رہا ہے قابل ملامت نہ ہوگا۔ بشرطیکہ وہ قواعد کے مطابق تنقید کرے۔"

(المنیر جلد ۴ ۲۳/۲۴ ۲۴ شوال ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۷/۲۴ جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۳)

اس کی تائید میں ادارہ المنیر نے اس اشاعت کے صفحہ ۹ پر امام ابن تیمیہؒ کی یہ عبارت نقل کی ہے۔

إِنَّ التَّصْحِيحَ لَمْ يُقَلِّدِ الْأَئِمَّةُ فِيهِ الْبُخَارِيَّ وَمُسْلِمًا بَلْ جُمْهُورُ مَا صَحَّحَاهُ كَانَ قَبْلَهُمَا صَحِيحًا مُتَلَقًّى بِالْقَبُولِ وَكَذٰلِكَ فِي عَصْرِهِمَا وَكَذٰلِكَ بَعْدَهُمَا قَدْ نَظَرَ أَئِمَّةُ هٰذَا الْفَنِّ فِي كِتَابَيْهِمَا فَوَافَقُوهُمَا عَلَىٰ صِحَّةِ مَا صَحَّحَاهُ إِلَّا مَوَاضِعَ يَسِيرَةً نَحْوَ عِشْرِينَ حَدِيثًا انْتَقَدَهَا عَلَيْهِمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْحُفَّاظِ وَهٰذِهِ الْمَوَاضِعُ الْمُنْتَقَدَةُ غَالِبُهَا فِي مُسْلِمٍ وَقَدِ انْتَصَرَ طَائِفَةٌ لَهُمَا فِيهَا وَطَائِفَةٌ قَرَّرَتْ قَوْلَ الْمُنْتَقِدِ (منهاج السنة لابن تيميه رح
بحوالہ فتح الملہم بشرح مسلم لمولانا شبیر احمد عثمانی ص ۹۹)

ترجمہ:- احادیث کی تصحیح میں ائمہ حدیث نے امام بخاری اور مسلم کی تقلید نہیں کی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جن احادیث کو ان ہر دو حضرات (بخاری و مسلم) نے صحیح کہا ائمہ حدیث نے اس سے پہلے بھی انہی احادیث کو صحیح قرار دیا اور قبول عام حاصل ہوا۔ اسی طرح ان کے زمانہ میں جو ائمہ حدیث تھے۔ انہوں نے بھی ان احادیث کو صحیح کہا یہی بات ان کے بعد ظہور پذیر ہوئی فن حدیث کے

ائمہ نے بخاری اور مسلم دونوں کتب پر نگاہ دوڑائی اور جن روایات کو انہوں نے صحیح کہا تھا انہیں صحیح ہی پایا۔ البتہ چند مقامات میں ائمہ حدیث نے امام بخاری و مسلم سے اتفاق نہیں کیا۔ اور ان کی صحیح کردہ روایات کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صحیح نہیں جانا۔ یہ احادیث بیس کے قریب ہیں۔ ان پر حفاظ حدیث نے تنقید کی ہے۔ یہ احادیث زیادہ مسلم میں ہیں۔ بعد کے ائمہ حدیث کے ایک گروہ نے تنقید کرنے والوں کی تائید کی ہے اور ان احادیث کو مجروح ہی کہا ہے اور ایک دوسرے گروہ نے مجروح احادیث کی تائید کی ہے۔ (المنیر اشاعت مذکورہ صفحہ ۹)

بظاہر تو اس عبارت سے یہ گنجائش نکالی ہے۔ کہ بخاری مسلم کی احادیث کو بغیر تنقید کے نہیں لینا چاہیئے کیونکہ اندھی تقلید ہے۔ لیکن دراصل اس عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ تنقید کی اب کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس کی انتہا ہو گئی یہاں تک کہ ان کی صحت پر تین زمانے متفق ہیں بخاری مسلم سے پہلے کے لوگ بھی ان کی صحت پر متفق تھے۔ اور ان سے بعد کے لوگ بھی اور ان کے ہمعصر بھی اب بتلائیے اس سے بڑھ کر کسی کتاب کی شان کیا ہو سکتی ہے۔ کہ جس طرح قرآن مجید کی صحت پر دنیا متفق ہے۔ اسی طرح اس کی صحت پر بھی دنیا متفق ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اوّل درجہ صحت میں کتاب اللہ ہے۔ پھر ان کا نمبر ہے۔

اور اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جن احادیث کو مجروح کہا گیا ہے اُن میں بھی اختلاف ہے ایک گروہ بخاری مسلم کے ساتھ ہے اور ایک تنقید کرنے والوں کے ساتھ ہے اور یہ چیز اصول حدیث میں مسلم ہے کہ جس جرح کا تھوڑا بہت جواب ہو سکے۔ اس سے حدیث حسن درجہ سے نہیں گرتی۔ جیسے مسلم کی دوسرے درجہ کی احادیث جو تائیداً لاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ مقدمہ مسلم پس اس جرح کا حاصل یہ ہوا۔ کہ بعض مقامات میں بخاری مسلم کی شرط (اعلیٰ درجے کی صحت) پوری نہیں ہوئی نہ کہ وہ حدیث قابل عمل نہیں۔ تیسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی۔ کہ بخاری مسلم کے اتنے بڑے ذخیرے کل بیس احادیث کے قریب ایسی نکلی ہیں جن پر بعض محدثین کی تنقیدی نظر پڑی ہے جو ترازو میں پاسنگ بھی نہیں۔ ایسے تو قرآن مجید کی بعض قراتوں میں بھی اختلاف ہے کہ شاذ ہیں یا متواتر مگر اس سے مشہور سات قراتوں کو کوئی ضعف نہیں۔ ٹھیک اسی طرح بخاری مسلم کی ان چند احادیث پر اگر جرح ہوئی ہے تو یہ کالعدم ہے۔ ہاں اس سے اتنا فائدہ ضرور پہنچا کہ مخالفین کا منہ بند ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ بخاری مسلم کی احادیث میں کچھ تنقید کی گنجائش ہوتی۔ تو اتنے بڑے بڑے محدث جرح تعدیل کے امام اپنی کوشش کے باوجود اپنا سا منہ لے کر نہ بیٹھ جاتے۔ بہر صورت بخاری مسلم کی شان اس سے بہت بلند ہو گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور

تنقید کا خاتمہ ہوگیا۔ والحمد للہ علی ذلک

چوتھی بات اس عبارت سے یہ معلوم ہوئی کہ بخاری کا مقام مسلم سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ ان مجروح احادیث کا غالب حصہ مسلم میں ہے۔ گویا بخاری کے حصے میں کل پانچ چھ احادیث ایسی آئیں، جن کی تنقید کی گئی ہے۔ تو بخاری کی سات آٹھ ہزار احادیث کے مقابلہ میں فی ہزار ایک بھی نہ ہوئی۔ اب بھی کوئی بخاری پر جرح کرے تو اس کو شرم کرنی چاہیے۔ اور خدا سے ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ تعصب کا انجام بُرا ہے۔

ہاں یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام نووی نے شرحِ مسلم کے مقدمہ میں بخاری مسلم کی تقریباً ۱۰۰ احادیث لکھی ہیں جن پر تنقید ہوئی ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں دو سو دس لکھی ہیں، جن سے ۷۸ صرف بخاری میں ہیں اور سو صرف مسلم میں ہیں، اور ۳۲ دونوں میں ہیں، تو گویا یہ ۳۲ ملا کر ایک سو دس بخاری میں ہوئیں، اور ایک سو ۳۲ مسلم میں ہوئیں پس ابن تیمیہؒ کا بیس کے قریب کہنا کیونکر صحیح ہوگا۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ کی مراد وہ احادیث ہیں جن میں محدثین کا اختلاف رہا، باقی کے متعلق محدثین کا اتفاق ہوگیا کہ تنقید کرنے والوں کی غلطی ہے چنانچہ امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ہر ایک حدیث کے متعلق پوری بحث کی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سے بہت احادیث پر جرح یہ ہے کہ ان میں فلاں راوی مجروح ہے حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ راوی کے مجروح ہونے سے حدیث بھی مجروح ہو جائے کیونکہ بعض دفعہ ایک راوی مجروح کے ساتھ دوسرا ثقہ مل جاتا ہے۔ تو اس طرح سے بھی حدیث صحیح ہو جاتی ہے۔ اور بعض دفعہ ایک راوی میں عمر کے تقاضا سے یا کسی اور سبب سے یا حادثے سے حافظہ وغیرہ میں خرابی ہو جاتی ہے، جس سے وہ مجروح ہو جاتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی پہلی روایت کردہ احادیث بھی مجروح ہو جائیں۔

الغرض اس قسم کی تنقیدات سے حدیث کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے تو سب احادیث کی صحت ثابت کی ہے۔ جن میں وہ بیس بھی آجاتی ہیں، جن کا ذکر امام ابن تیمیہؒ نے کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بخاری مسلم کی شان بہت بلند ہے۔ اور ان کی مسند احادیث سب صحیح ہیں۔ اور اب ان پر تنقید کا دروازہ بند ہے۔ اور جن چند احادیث پر امام دارقطنی وغیرہ نے تنقید کی۔ ان میں بھی بخاری و مسلم کا پلڑا بھاری ہے اور تنقید کرنے والے غلطی پر ہیں۔

مودودی صاحب نے جب دیکھا کہ استاد کے قوی ہونے کے بعد اب تنقید کی کوئی گنجائش نہیں، تو

درایت اور ذوق کا ایک شاخچہ کھڑا کر دیا۔ اس کے لئے کئی قسم کے راستے کھول دیئے۔ جن سے دو کا بیان ہو چکا ہے تیسرا راستہ وہ بھی ذکر ہوا ہے کہ تیسرا راستہ تاریخ ہے۔ اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ تاریخ واقعات عالم کا ترتیب وار ذخیرہ ہے۔ مودودی صاحب کا خیال ہے۔ کہ اب تاریخ نے بہت وسعت پیدا کر لی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی وسعت نے تمام واقعات عالم کا احاطہ کر لیا ہے۔ ایسا کوئی واقعہ نہیں جو اس کے احاطہ میں نہ آیا ہو۔ اگر حدیث میں بھی کسی واقعہ کا ذکر ہو۔ اور تاریخ میں اس کی شہادت نہ ملے۔ تو درایت اور ذوق کا یہی فیصلہ ہے۔ کہ وہ غلط ہے اسی بنا پر آپ تمیم داری کی حدیث جو دجال سے متعلق ہے۔ اس کا ذکر کر کے بڑی جرأت سے لکھتے ہیں۔

کیا تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا

(ترجمان القرآن جلد ۲۶ ۳ ص ۱۶۲)

بلکہ اس سے بھی ترقی کر کے لکھتے ہیں۔ وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں۔ جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے۔ (حوالہ مذکورہ)

مودودی صاحب یہاں تو منکرین حدیث سے بھی آگے بڑھ گئے منکرین حدیث حدیث کو تاریخی حیثیت سے مانتے ہیں۔ وحی قرار نہیں دیتے مودودی صاحب نے نہ صرف وحی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی انکار کر دیا ہے۔ اور تیرہ سو برس کی تاریخ کا سہارا لیتے ہوئے دجال کے متعلق احادیث صحیحہ کو غلط کہہ دیا۔ اگر حدیث کو تاریخی حیثیت دیتے تو تیرہ سو برس کی تاریخ کا حدیث سے موازنہ کرتے۔ کہ ایک طرف دُنیا کی "تاریخ اور ایک طرف سرور دو جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان، چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک کا مصداق ہے۔ پھر لطف یہ کہ مودودی صاحب خود بھی لکھتے ہیں۔

"دُنیا میں زمانہ گذشتہ کے حالات کا کوئی ذخیرہ اتنا مستند نہیں۔ جتنا کہ حدیث کا ذخیرہ مستند ہے۔" (تفہیمات ص ۲۶۱)

مودودی صاحب نے یہاں مخبوط الحواس کا کام کیا ہے۔ ادھر پیغمبر اسلام پر جرأت اُدھر اپنی تحریروں میں تضاد۔ اگر حدیث کا ذخیرہ سب ذخیروں سے زیادہ مستند ہے تو پھر تیرہ سو برس کی تاریخ کو اس سے کیا نسبت؟

یاجوج ماجوج

بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے اور سکندر ذوالقرنین اور سد سکندری کا بھی تفصیلاً بیان ہے۔ اور احادیث میں تو بہت زیادہ تفصیل آئی ہے۔ کہ یاجوج ماجوج نے دو انگلیوں کے حلقے برابر سد سکندری میں سوراخ کر دیا ہے اور عنقریب

وہ سد سکندری توڑنے والے ہیں اور ان کی پہلی فوجیں بحیرہ طبریہ کا سارا پانی پی جائیں گی۔ اور پچھلی فوجیں گذریں گی۔ تو کہیں گی یہاں کسی زمانہ میں پانی ہوگا۔ زمین پر قبضہ کرکے پھر آسمان کی طرف تیر چلائیں گے۔ آسمان سے وہ خون آلودہ آئیں گے۔ دیکھ کر کہیں گے۔ ہم نے آسمان والے کو بھی قتل کر دیا اب آسمان پر بھی ہماری بادشاہت ہے عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے ان کو خدا کی طرف سے حکم ہوگا کہ میرے بندوں کو پہاڑ طور کی طرف جگہ دے۔ پھر خدا ان کی گردنوں میں کیڑا پیدا کر دیں گے جس سے یک لخت سارے کے سارے اس طرح مر جائیں گے جس طرح ایک انسان مرتا ہے۔ ان کی لاشوں سے زمین سڑ جائے گی عیسیٰ علیہ السلام دعا کریں گے خدا تعالیٰ اونٹوں کی طرح لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا۔ وہ اٹھا اٹھا کر ان کو کھبل و بیت المقدس میں کوئی جگہ ہے، میں پھینک دیں گے پھر بارش ہوگی جس سے زمین صاف ہو جائے گی اور خدا زمین و آسمان کو حکم دے گا۔ اپنی برکات چھوڑ دیں۔ بس پھر رزق کی اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ ایک انار کو چالیس آدمی تک کھائیں گے اور اس کے چھلکے کے سایہ میں بیٹھیں گے۔ اور ایک اونٹنی کا دودھ کئی جماعتوں کو کافی ہوگا اور ایک گائے کا ایک قبیلہ کو اور ایک بکری کا ایک گھرانے کو۔ اور سانپوں سے زہر نکل جائے گا ان سے بچے کھیلیں گے۔ شیروں کو بچے بھگاتے پھریں گے بھیڑیئے کتوں کی طرح بکریوں کے محافظ بن جائیں گے اور سات سال تک مسلمان یاجوج ماجوج کے تیر و کمان کی لکڑیاں جلائیں گے۔ یعنی یاجوج ماجوج کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی۔ کہ سات سال تک ان کے تیر کمان ایندھن کا کام دیں گے۔

سد سکندری

سد سکندری اور یاجوج ماجوج کا بیان قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث میں بھی مگر دجال کا ذکر صراحۃً قرآن مجید میں نہیں بلکہ اشارۃً ہے۔ وہ یوں کہ عیسیٰ علیہ السلام اولو العزم اور صاحب شریعت انبیاء سے ہیں۔ ان کی حیات بھی قرآن مجید سے ثابت ہے اور ان کا دوبارہ آنا بھی اور ظاہر ہے۔ کہ اتنا بڑا اہتمام کسی بڑے فتنے کا سدباب ہے اور وہ دجال ہی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ آدمؑ سے تا قیامت اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں۔ (مشکوٰۃ)۔

مصیبت یہ ہے کہ مودودی صاحب میں کچھ نیچریت اور کچھ مرزائیت حلول کر گئی ہے وہ حیات مسیح کے بھی منکر ہیں جو امت کا متفقہ مسئلہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ :-

مسیح علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ متشابہات میں سے ہے (کوثر ۱۰ فروری ۱۹۵۱ء) پس قرآن کی روح سے زیادہ مطابقت اگر کوئی طرز عمل رکھتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ رفع جسمانی کی تصریح سے بھی انکار کیا جائے اور موت

کی تصریح سے بھی (تفہیم القرآن ص۱۴۴) جہاں تک قرآن کا تعلق ہے حیات مسیح و رفع الی السماء قطعی طور پر ثابت نہیں ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات سے یقین نہیں ہوتا۔ (تقریر مولانا مودودی صاحب بموقعہ درس مقام اچھرہ لاہور ۲۲ مارچ ۱۹۵۱ء)

مودودی صاحب تو تیرہ سو سال کی تاریخ کے سہارے پیغمبر علیہ السلام کی غلطیاں نکال رہے ہیں۔ اصحاب کہف اور سدِ سکندری کا پتہ بھی تاریخ سے نہیں چلتا یاجوج ماجوج کے ذکر نے تو اور حیرانی میں ڈال دیا۔ کیونکہ دجال تو انفرادی حالت میں کسی جزیرہ میں مقید ہے۔ تیرہ سو سال کی تاریخ میں اس کا پتہ نہ لگنا ایک معمولی بات ہے لیکن یاجوج ماجوج تو اپنی کثرت تعداد کے لحاظ سے کسی بہت بڑے ملک میں آباد ہوں گے تیرہ سو سال کی تاریخ ان کا کیوں پتہ نہیں دیتی؟

پھر اصحاب کہف پر مسجد بھی بنائی گئی ہے جو بہت بڑا نشان ہے اور وہ کھلے میدان میں سوئے ہوئے ہیں اور سدِ سکندری اس سے بھی بڑی عمارت ہے جو دو ملکوں کے درمیان حائل ہے اور یاجوج ماجوج اس کے توڑنے میں لگے ہوئے ہیں اور دو انگلیوں کے حلقے کے برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی اس میں سوراخ ہو چکا تھا۔ تو یہاں بھی یہ کہہ دیا جائے کہ تیرہ سو سال کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ رسول تو درکنار خدا کا اندیشہ بھی صحیح نہیں دیدہ باید۔

چوتھا راستہ مودودی صاحب کی ہدایت کے لئے احادیث میں اختلاف اور ٹکراؤ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حدیث بھی قرآن مجید کی طرح وحی ہے۔ صرف فرق آتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں اعجاز ہے (یعنی ایسا کلام بنانے پر کوئی دوسرا قادر نہیں) اور حدیث شریف میں اعجاز نہیں اور یوں بھی فرق کرتے ہیں کہ قرآن مجید وحی متلو ہے یعنی نمازوں غیر نمازوں میں اس کی تلاوت ہوتی ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے دوسرے لفظوں میں قرآن مجید وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے۔ جلی کے لفظی معنی واضح کے ہیں۔ اور خفی کے معنی پوشیدہ اور مراد وہی متلو غیر متلو ہے۔ جب ہر وقت نماز غیر نماز میں عام تلاوت ہوگی۔ تو جلی کے معنے پائے گئے اور جس کی اس طرح تلاوت نہیں۔ اس میں خفی کے معنے پائے گئے۔ اور جلی خفی کا ایک معنے یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر الفاظ اور معنی دونوں خدا کی طرف سے ہوں۔ تو یہ جلی ہے۔ اور اگر الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں اور معنی خدا کی طرف سے ہوں تو یہ خفی ہے۔ کیونکہ الفاظ ظاہر ہیں اور معنی دل میں ہوتا ہے۔ مگر اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدیث قدسی کے الفاظ اور معنے دونوں خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ قرآن نہیں۔

حدیث قدسی

حدیث قدسی کی ایک تیسری تعریف یہ بھی ہے کہ صرف خدا کی طرف تشریفی طور پر نسبت ہوتی ہے. الفاظ تو خدا کے نہیں ہوتے اس بناء پر جلی کے یہ معنی کرنا کہ الفاظ بھی خدا کے اور مطلب بھی خدا کا اور اس معنے سے قرآن مجید کو وحی جلی کہنا صحیح ہوگا. اور اس کے مقابلہ میں وحی خفی کا معنی یہ ہوگا. کہ صرف مطلب خدا کا ہے الفاظ خدا کے نہیں ہیں. اور اس معنی سے حدیث وحی خفی ہے قدسی ہو یا غیر قدسی لیکن پہلے جو ہم نے کہا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ حدیث قدسی کے الفاظ خدا کے ہوتے ہیں صرف ان میں اعجاز نہیں ہوتا. یہ چاہتا ہے. کہ حدیث قدسی کی یہ تیسری تعریف کچھ کمزور ہے اور اس بناء پر جلی خفی کا یہ معنے بھی کچھ کمزور ہی رہے گا اور جلی کا بعض یہ معنے کرتے ہیں کہ فرشتہ سامنے آتا ہے. اور خفی کے یہ معنے ہیں کہ فرشتہ سامنے نہیں آتا جیسے شروح بخاری میں دونوں قسم کی وحی کی تفصیل ہے مگر قرآن کی وحی اور حدیث کی وحی میں یہ فرق کرنا غلط ہے کیونکہ حدیث کی وحی میں بھی کبھی فرشتہ سامنے آتا ہے. جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں. کہ ہمسایہ کے حقوق کی نسبت جبریل نے مجھے اتنی وصیت کی کہ قریب تھا کہ اسے وارث بنا دیں. اور مشکوٰۃ باب المساجد میں حدیث ہے. کہ سب جگہوں سے بہتر جگہیں مسجدیں ہیں. اور سب جگہوں سے بدتر جگہیں بازار ہیں. اس مسئلہ میں بھی جبرائیل آئے. قرآن مجید کے نزول میں بعض دفعہ فرشتہ سامنے نہیں آتا. جیسے حضرت عائشہؓ کی برأت کی آیات اُتری ہیں. اس وقت ویسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغراق کی حالت ہوگئی. اور طبیعت پر بوجھ پڑ گیا اسی طرح پانچویں پارہ آیہ کریمہ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ میں لفظ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ اترنے کے وقت ہوا. زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں وحی لکھ رہا تھا میری ران آپ کی ران کے نیچے تھی جب یہ لفظ اترا تو مجھ پر اتنا بوجھ پڑا. کہ قریب تھا کہ میری ہڈی ٹوٹ جاتی. حالانکہ صرف ایک لفظ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ اترا ہے اور اس قسم کی وحی میں سردیوں میں بھی آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے خواہ وحی قرآن مجید ہو یا حدیث ہو چنانچہ مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل اول میں ابو سعید خدریؓ کی حدیث کا نزول بھی اسی طرح ہوا جو یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی نمائش اور زینت سے میں تم پر ڈرتا ہوں. ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! کیا خیر بھی شر کو لاتی ہے. آپ چپ ہو گئے ہم نے خیال کیا. کہ آپ پر وحی ہو رہی ہے. پس آپ نے پسینہ پونچھا اور فرمایا سائل کہاں ہے؟ ایسا معلوم ہوتا تھا. کہ آپ نے اس کا سوال پسند کیا ہے. فرمایا خیر شر نہیں لاتی لیکن بہار میں جو کچھ زمین اگاتی ہے. اس کو چارپائے کھاتے ہیں کئی چارپائے کھا کر مر جاتے ہیں کئی قریب المرگ ہو جاتے ہیں. جو چارپایہ کھا کر دھوپ میں آ کھڑا ہو. پسینہ آئے گوبر کرے پیشاب کرے پیٹ ہلکا ہو جائے پھر جا کر چرنے لگے.

اس چارپائے کو یہ غذا مفید پڑتی ہے۔ سو اسی طرح یہ دنیا کا مال و دولت سبز اور میٹھا ہے جو حلال طریق سے لے اور جہاں خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ کردے اس کے لئے یہ مال بہتر معاون ہے اور جو ایسا نہ کرے اس کی مثال اس چارپائے کی ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اور قیامت کے دن یہ مال اس پر گواہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ خرابی مال سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ سوء استعمال سے پیدا ہوتی ہے جیسے قرآن کی بابت فرمایا کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہت کو ہدایت کرتا ہے اور بہت کو گمراہ کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جلی خفی میں فرشتے کے سامنے آنے نہ آنے کے ساتھ فرق کرنا صحیح نہیں بلکہ فرق وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔ یعنی جلی سے مراد وحی متلو ہے۔ اور خفی سے مراد وحی غیر متلو ہے۔ پس قرآن مجید میں اور حدیث شریف میں دو طرح سے فرق ہوا ایک یہ کہ قرآن مجید وحی متلو ہے اور حدیث شریف وحی غیر متلو ہے۔ بہرحال حدیث کے وحی ہونے میں شبہ نہیں، اور یہ بات ظاہر ہے۔ کہ وحی میں اختلاف یا تضاد نہیں ہوتا کیوں کہ وحی خدا کی طرف سے ہے۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ ترجمہ، قرآن مجید غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

اب چاہیئے تو یہ تھا کہ احادیث میں بظاہر جہاں اختلاف ہو، وہاں موافقت کی کوشش کی جائے اور اگر کسی سے موافقت نہ ہو سکے، تو اسے چاہیئے کہ اس کے جاننے والے کے حوالے کردے۔

بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۱۳ پر سورہ حٰمٓ سجدہ کی آیہ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ کے تحت سعید ابن جبیرؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک شخص (نافع بن الازرق) نے ابن عباسؓ کو کہا کہ قرآن مجید کی کئی آیتوں میں مجھے تعارض معلوم ہوتا ہے۔

(۱) خدا ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ (پ۱۸ ع۶) یعنی قیامت کے دن کوئی ایک دوسرے کو نہیں پوچھے گا۔ اور دوسری آیت میں ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُوْنَ (پ۲۳ ع۲) یعنی قیامت کے دن ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔

(۲) ایک آیت میں ہے وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (پ۵ ع۳) یعنی خدا سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ اور دوسری آیت میں ہے۔ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (پ۷ ع۹) یعنی خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔ اس آیت میں انہوں نے چھپایا۔

(۳) سورہ نازعات میں ہے۔ کہ آسمان کو زمین سے پہلے پیدا کیا۔ اور سورہ حٰمٓ سجدہ کی آیہ مذکورہ میں ہے

کہ زمین پہلے پیدا کی۔

(۲) خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ سَمِيْعًا بَصِيْرًا یعنی خدا بخشنے والا مہربان تھا۔ غالب حکمت والا تھا۔ سننے والا دیکھنے والا تھا گویا پہلے زمانہ میں تھا۔ اب نہیں۔ ابن عباسؓ نے جواب میں فرمایا۔

۱۔ پہلے نفخہ میں کوئی نہیں پوچھے گا۔ دوسرے نفخہ میں پوچھیں گے۔

۲۔ جب اللہ تعالیٰ اہل توحید کو بخشے گا۔ تو مشرک کہیں گے۔ آؤ ہم بھی قسم کھائیں کہ ہم مشرک نہ تھے۔ اس کے بعد ان کے منہ پر مہریں لگا دی جائیں گی اور ہاتھ بولیں گے پس اس وقت کچھ نہیں چھپائیں گے۔

۳۔ زمین آسمان سے پہلے پیدا ہوئی ہے اور سورہ نازعات میں زمین کی پیدائش کا ذکر نہیں بلکہ بچھانے کا ذکر ہے۔ اور بچھانے سے مراد اس میں چشمے جاری کرنا اس سے چارہ پیدا کرنا۔ اس میں پہاڑ گاڑنا اونٹ اور ٹیلے اور باقی اشیاء پیدا کرنا ہے۔

۴۔ یہ اوصاف خدا تعالیٰ کے چونکہ قدیمی ہیں۔ اس لئے ماضی کا لفظ استعمال کیا اور یہ مطلب نہیں کہ اب نہیں کیونکہ خدا جب کوئی ارادہ کرے۔ مثلاً کسی کو بخشش رحمت پہنچانی چاہے۔ تو اس کو کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس لئے اس کے حق میں یہ اوصاف منقطع نہیں۔ (اسی لئے کتب نحو میں کَانَ کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ منقطعہ اور دائمہ) پس قرآن مجید تجھ پر مختلف نہ ہو۔ کیونکہ سارا خدا کی طرف سے ہے۔

تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۴۲۰ پر سورہ سَاَلَ سَائِلٌ کی آیہ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کے تحت لکھا ہے کہ

ایک شخص نے ابن عباسؓ سے اس دن کے متعلق سوال کیا جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا۔ یہ (اور سورہ سجدہ میں ہزار سال کا دن) دو دن خدا نے اپنی کتاب میں ذکر کئے ہیں۔ خدا کی جو مراد ہے وہ بہتر جانتا ہے۔ میں اللہ کی کتاب میں بغیر علم کے کچھ کہنا مکروہ سمجھتا ہوں۔

یہی حال حدیث کا ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ وہ بھی وحی ہے۔ اول تو موافقت کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر اتنا علم نہ ہو۔ تو اپنے سے زیادہ علم والے کی طرف رجوع کرے یا پھر توقف کرے۔ جیسے ابن عباسؓ نے کیا۔ مگر مودودی صاحب حدیث سے خلاف نہ برتاؤ کرتے ہیں دیدہ دانستہ احادیث کو ٹھکراتے ہیں۔ اور پھر ان کی تردید

شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ان کی درایت ہے۔ جو عموماً حدیث پر ہمیشہ غالب رہتی ہے۔ چنانچہ

مودودی صاحب نے ان احادیث کو جن میں دجال کا ذکر ہے۔ آپس میں ٹکرا کر نتیجہ یہ نکالا ہے۔ کہ یہ محض آپ کے قیاسات ہیں۔ حالانکہ خراسان اور اصفہان مدینہ منورہ سے قریباً مشرقی جانب میں۔ اور عراق تو بالکل مشرق میں ہے اور حدیث میں درمیانی علاقہ شام و عراق نہیں آیا بلکہ خلّۃ بین الشام والعراق آیا ہے۔ اور خلّہ کے معنے راستے کے ہیں جو ریگستان میں ہو۔ اور وہ راستہ شام کی نسبت عراق کی طرف زیادہ نزدیک ہو۔ تو وہ بھی قریباً مشرق میں ہو گیا۔

سندھی حاشیہ ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۵۰۹ میں لکھتے ہیں:۔

قَالَ الْقُرْطَبِیْ قَدْ جَاءَ اَنَّہٗ مِنْ خُرَاسَانَ وَمِنْ اَصْبَھَانَ وَوَجْہُ الْجَمْعِ اَنَّ مُبْتَدَأَ خُرُوْجِہٖ مِنْ خُرَاسَانَ من ناحیۃ اصبھان ثم یخرج الی الحجاز فیما بَیْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ۔

قرطبی کہتے ہیں۔ احادیث میں خراسان سے نکلنے کا بھی ذکر آیا ہے اور اصبہان سے بھی آیا ہے اور موافقت اس طرح ہے۔ کہ ابتدا خروج خراسان سے شہر اصبہان کی جانب سے ہے پھر حجاز کی طرف اس کا خروج شام و عراق کے درمیانی راستہ سے ہوگا۔

کم عقلی

پہلے علماء سب کچھ لکھ گئے ہیں۔ مگر مودودی صاحب کو اپنا علمی مظاہرہ کرنا تھا۔ اس لئے ان کو نئی نئی سوجھتی ہے۔ اور در اصل یہ علمی مظاہرہ نہیں بلکہ اپنی کم عقلی کا مظاہرہ ہے۔ معاذ اللہ آپ کوئی شیخ چلی تو تھے ہی نہیں کہ محض اٹکلوں کی بناء پر خیالات کی عمارت چنتے رہیں۔ بلکہ آپ کی تو وہ بلند شخصیت ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ ذمہ دارانہ طور پر فرماتے ہیں۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے۔ کہ خراسان ایک علاقہ کا نام ہے۔ اور اصبہان ایک شہر ہے اور خلّہ ریگستانی راستہ ہے۔ یہ تعینات اس قسم کی پیش گوئی ہے۔ کہ اس میں قیاس کا کوئی دخل ہی نہیں۔ اس کا ذریعہ صرف وحی ہو سکتی ہے۔ مودودی صاحب کو دعویٰ تو اتنا بڑا ہے کہ نبی کی غلطیاں نکالتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں سوچا کہ ان چیزوں کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر کس طرح آگئے اور دجال کا چکر ان راستوں سے کیوں ہوگا۔ کیا اس کو نکلنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔

کاش! مودودی صاحب اصول حدیث ہی پڑھ لیتے۔ اس میں یہ اصول صاف لکھا ہے کہ اسرائیلیات سے نہ لینے والا صحابی اگر کوئی اس قسم کی خبر دے جس میں رائے قیاس کا دخل نہ ہو، تو محدثین اس کو مرفوع شمار کرتے ہیں یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوتا ہے کیونکہ صحابہ کے لئے ایسے معلومات کا ذریعہ صرف آپ ہی کی ذات بابرکات تھی۔ تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا کی ذات کے سوا کوئی اور ذریعہ تھا؟ پس اس بناء پر آپ کا ارشاد بطریق اولیٰ وحی ہونا چاہیئے۔ خاص کر جبکہ آپ کے حق میں نص واضح فرمان الٰہی وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ بھی موجود ہے لیکن مودودی صاحب کی درایت نے یہ سب باتیں ان کی آنکھ سے اوجھل کر دیں۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ آپ منکرین حدیث میں شامل ہو جائیں۔ اوپرے اقرار کا لیبل لگا کر اندر سے انکار یہ تو وہی یہود کا سا سجدہ ہے جبکہ ان پر پہاڑ طور اٹھا لیا گیا۔ آپ کی حکومت الٰہیہ بھی ایسی ہی ہوگی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پانچواں راستہ: مودودی صاحب کی درایت کا قرآن و حدیث کا آپس میں اختلاف اور ٹکراؤ ہے ابھی ذکر ہوا ہے کہ حدیث بھی وحی ہے، اختلاف نہیں ہوتا ہاں ظاہر میں کسی وقت اختلاف معلوم ہو، تو اس کی موافقت کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر سمجھ میں نہ آئے تو کسی دوسرے کے حوالے کر دے یا توقف کرے۔

اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔

پہلی مثال: قرآن مجید میں ہے۔ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (پ انشقاق) ترجمہ: جو قیامت کے دن اعمال نامہ اپنے دائیں ہاتھ میں دیا جائے پس وہ حساب کیا جائے گا "حساب آسان" اور حدیث میں ہے۔ مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ یعنی جس کا حساب کیا گیا، اس کو عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت و حدیث میں بظاہر مخالفت ہے آیت میں ہے جن کو عمل نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا، ان کا حساب ہوگا حساب آسان اور حدیث چاہتی ہے کہ جس کا حساب ہوا اس کو عذاب ہو خواہ حساب آسان ہو یا سختی سے ہو حضرت عائشہ نے یہ شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں یوں موافقت کی کہ آیت سے مراد در اصل حساب نہیں، بلکہ عرض (سامنے کرنا) ہے یعنی دائیں ہاتھ میں عملنامہ ملنے والوں کے گناہ سامنے کر کے کہہ دیا جائے گا، یہ تمہارے گناہ معاف کر دیئے گئے، تاکہ ان کو پتہ لگے کہ خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مَنْ نُوقِشَ فِي الْحِسَابِ عُذِّبَ یعنی جو حساب میں کرید کیا گیا اور

ذرا ذرا سی بات کی پوچھ ہوئی۔ تو اس کو ضرور عذاب ہوگا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کی تاویل کی۔ کہ وہ برائے نام حساب ہے اصل حساب نہیں پس آیت و حدیث میں کوئی مخالفت نہیں۔

دوسری مثال:۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا (پ ۵ ع ۱۲) ترجمہ:۔ جب تم زمین میں سفر کرو۔ تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر دوگانہ پڑھو اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ کہیں کافر تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ وغیرہ تشریف لے گئے۔ تو دوگانہ پڑھتے رہے۔ حالانکہ وہاں کسی قسم کا کفار کا ڈر نہ تھا کیونکہ مکہ وغیرہ فتح ہو چکا تھا۔ اور ہر طرح سے امن قائم ہو چکا تھا۔

یہ آیت چاہتی ہے کہ دوگانہ اس وقت ہو جب کفار کا ڈر ہو۔ اور حدیث میں اس شرط کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ یعنی دو رکعت کی معافی یہ خدا کی طرف سے صدقہ ہے پس اس کا صدقہ قبول کرو۔

آپ کا مطلب یہ ہے کہ شروع میں اگرچہ ڈر کی وجہ سے یہ رخصت ہوئی مگر اب اس شرط کی معافی ہے تو گویا یہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کی تاویل کی۔

تیسری مثال:۔ بخاری کی حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تین جھوٹ بولنے کا ذکر آیا ہے۔ ایک جب بت توڑے اور کفار نے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ ان کے بڑے نے کیا ہے۔ دوسرے جب قوم اپنے میلہ پر جانے لگی۔ تو ابراہیم کو بھی ساتھ لے جانا چاہا۔ آپ نے ویسے ستاروں کی طرف نظر کرکے کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ تیسرے عراق سے شام کی طرف جب ہجرت کی تو راستہ میں ایک ظالم بادشاہ نے آپ کی بیوی سارہؑ کو پکڑ لیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ یہ تیری کیا لگتی ہے؟ تو کہا میری بہن ہے کیونکہ اگر بیوی کہتے تو وہ آپ کو قتل کر دیتا۔ چنانچہ خاوند کو قتل کر دینا اس کا دستور تھا۔ یہ تین جھوٹ حدیث میں مذکور ہیں۔ ایک جان بچانے کے لئے اور دو اللہ کے راستہ میں اور یہ دونوں (جو اللہ کے راستہ میں ہیں) قرآن مجید میں بھی موجود ہیں اور تیسرا جو صرف حدیث میں ہے۔ اس کے متعلق اس حدیث میں صاف یہ الفاظ ہیں۔ میں نے بہن اس بنا پر کہا ہے کہ تو میری اسلامی بہن ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ یہاں شکل جھوٹ کی ہے۔ دراصل جھوٹ نہیں لیکن باوجود اس کے مودودی صاحب ترجمان القرآن جلد ۵ صفحہ ۲۹۲ بابت دسمبر ۱۹۵۵ء

ہیں اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کو صدیق (بڑا سچا) کہا ہے حالانکہ دو جھوٹ جب قرآن مجید میں موجود ہیں۔ تو در اصل یہ قرآن مجید پر اعتراض ہے نہ کہ حدیث پر۔ اگر کہا جائے کہ حدیث میں ان پر جھوٹ کا لفظ بولا ہے۔ قرآن میں جھوٹ کا لفظ نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جھوٹ کا لفظ بولنے سے حقیقت پر تو پردہ نہیں پڑ سکتا۔ جو واقعہ میں جھوٹ ہے وہ جھوٹ ہی ہے۔ لفظ خواہ بولا یا نہ۔ پھر جو حرف حدیث میں ہے اس کے متعلق حدیث نے بتا دیا۔ کہ وہ واقعہ میں جھوٹ نہیں۔ بلکہ صرف شکل اس کی جھوٹ کی ہے۔ مگر باوجود اس کے یہ لوگ صرف حدیث پر ہی آوازے کس رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر پہلے قرآن مجید سے کرنی چاہیئے۔ پھر حدیث سے پھر آثار سلف سے۔ قرآن مجید نے جو صدیق کا معنی بیان کیا ہے۔ وہ حسب ذیل آیت میں ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۤىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (پ ۲۷ ع ۱۹) ترجمہ: جو اللہ اور رسول کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ وہی صدیق ہیں۔ اللہ رسول کے ساتھ ایمان لانے میں ان باتوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے۔ جو اللہ رسول نے فرمائی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے جو توریہ کی قسم سے ہے چنانچہ بخاری شریف کی اسی حدیث میں ہے جس میں بیوی کو بہن کہا ہے کہ اخوت سے اخوت اسلامی مراد ہے اور توحید سمجھانے کے لئے حیلہ کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ کر کہا کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں بیمار ہوں۔ (بیماری سے مراد دل کی پریشانی ہے) مگر ستاروں میں نظر کر کے بیمار کہنے سے قوم کو دھوکا دیا۔ کہ ان کی مراد جسمانی بیماری ہے)

اسی طرح یوسف علیہ السلام نے غلہ کی بوریوں میں شاہی پیمانہ رکھا کر بھائیوں کو چور کہلوایا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ (یہ حیلہ ہم نے یوسف کو سکھلایا) پس جب تک اس قسم کی باتوں پر کوئی ایمان نہ لائے وہ بحکم آیہ کریمہ مذکورہ بالا (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۤىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ) صدیق نہیں ہو سکتا پس یہی معنی صدیق کا درست ہے جو کہ قرآن مجید نے خود بیان کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ صدیق وہ ہے جس کا تعلق خدا و رسول سے سچا ہو۔

مودودی اور حدیث | مودودی صاحب کا خیال ہے۔ کہ صحت و ضعف احادیث میں محدثین کے قواعد

کی پابندی ہم پر ضروری نہیں اس کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"ان (محدثین) کی نگاہ میں احادیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا جو معیار ہے ٹھیک اسی معیار کی ہم بھی پابندی کریں۔ مثلاً مشہور (حدیث) کو شاذ پر، مرفوع کو مرسل پر، اور مسلسل کو منقطع پر لازماً ترجیح دیں، اور ان کی کھینچی ہوئی حد سے یک سرِ مو تجاوز نہ کریں۔ یہی وہ مسلک ہے، جس کی شدت نے بہت سے کم علم لوگوں کو حدیث کی کلی مخالفت ..... کی طرف دھکیل دیا ہے"

(تفہیمات ص۱۱)

مودودی صاحب کی مثال اندھوں میں کانا راجہ کی ہے۔ ان کی جماعت خدا جانے علمی میدان میں ان کو کتنا بڑا انسان سمجھتی ہے۔ کہ ان کی اندھی تقلید کر رہی ہے حالانکہ حال ان کا یہ ہے۔ کہ جس فن پر وہ تنقید کر رہے ہیں۔ اس کے معمولی مسائل کا بھی پتہ نہیں۔ شاذ کے مقابلہ میں محفوظ ہے اور مرفوع کے مقابلہ میں موقوف ہے اور منقطع کے مقابلہ میں متصل ہے۔ مودودی صاحب چونکہ زمانہ حال کے مجدد ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر چیز میں جدت پیدا کریں اور جماعت کی طرف سے آواز آئے سبحان اللہ ؎

یہ ٹھہرے ہیں دین کے رہنما اب

لقب ان کا ہے وارثِ انبیاء اب

اصل بات یہ ہے۔ کہ کامل استاد کے بغیر انسان کا علم پختہ نہیں ہوتا۔ اور جب علم پختہ نہ ہو۔ تو پھر ان کی بات کا توازن قائم نہیں رہتا۔ مودودی صاحب نے حدیث کا پایہ جتنا بلند کیا تھا جس کی وہ لدل میں پھنس کر اتنا ہی اس کو نیچے گرا دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

۱۔ احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچی ہیں۔ جن سے اگر کوئی چیز حد سے ثابت ہو سکتی ہے۔ تو وہ گمان صحت ہے نہ علم یقین۔" (ترجمان القرآن ربیع الاول ۱۳۶۵ھ)

۲۔ یہ بھی مسلم کہ نقد احادیث کے لئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے۔ وہ صدر اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے۔ کلام اس میں نہیں۔ بلکہ اس امر میں ہے۔ کہ کلیتہً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے؟ وہ بہرحال تھے تو انسان ہی۔ انسان کے لئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں۔ ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔" (تفہیمات ص۲۱۳)

۳۔ دوسری اہم چیز سلسلہ اسناد ہے محدثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے آیا اس کا ہم عصر تھا یا نہیں۔ ہم عصر تھا۔ تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں اور ملا تھا۔ تو آیا یہ خاص حدیث خود اس سے سُنی یا کسی اور سے سُن لی۔ اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔ ان سب چیزوں کی تحقیق کر کے سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہو گئے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو متصل الاسناد قرار دیتے رہے ہیں۔ وہ درحقیقت منقطع ہو۔ اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا ہو کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال راوی چھوٹ گیا ہے جو ثقہ نہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روایتیں مرسل یا معضل یا منقطع ہیں اور اس بنا پر پایہ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں۔ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں۔ جن کی بنا پر اسناد اور جرح تعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے۔ کہ سنت نبوی اور آثار صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے۔ مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اس پر اعتماد کر لیا جائے۔"

(تفہیمات ص ۳۲۱/۳۲۲)

۴۔ کیا ضرور ہے کہ جس کو انہوں (محدثین) نے ثقہ قرار دیا ہو۔ وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو۔ اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو۔ وہ بالیقین غیر ثقہ ہو اور اس کی تمام روایتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہوں۔" (تفہیمات ص ۳۲۱/۳۲۲)

۵۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کہ جس کو وہ (محدثین) صحیح قرار دیتے ہیں۔ وہ درحقیقت صحیح ہے۔ صحت کا کامل یقین تو ان کو بھی نہ تھا۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے۔ کہ اس حدیث کی صحت کا ظن غالب ہے۔ مزید برآں یہ ظن غالب جس بنا پر ان کو حاصل تھا۔ وہ بلحاظ روایت نہ کہ بلحاظ درایت ان کا نقطہ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا۔ فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا۔ اس لئے فقیہانہ نظر سے احادیث کے متعلق رائے قائم کرنے میں وہ فقہا مجتہدین کی نسبت کمزور تھے پس ان کے کمالات کا جائز اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انہوں نے کی ہے اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں۔ ایک بلحاظ اسناد دوسرے بلحاظ تفقہ۔" (تفہیمات ص ۳۱۹)

۶۔ محدثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا۔ اس لئے ان پر اخباری نقطۂ نظر غالب ہو گیا تھا۔ اور وہ روایت کو معتبر، غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے۔ کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں۔ رہا فقیہانہ نقطۂ نظر تو وہ ان کے موضوع خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا۔ اس لئے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا اور وہ روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں۔ اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں۔ حالانکہ معنی وہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں۔ کہ مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ اس پہلو کی توضیح کی جائے۔ مگر جو لوگ امورِ شریعت میں نظر رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں۔ کہ محدثانہ نقطۂ نظر کثرت مواقع پر فقیہانہ نقطۂ نظر سے ٹکرا گیا ہے۔ اور محدثین صحیح احادیث سے استنباطِ احکام و مسائل میں وہ توازن اور اعتدال ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں جو فقیہانہ مجتہدین نے رکھا ہے۔" (تفہیمات ص ۳۲۲)

۷۔ یہ بات ناقابلِ انکار ہے کہ جیسا مستند اور معتبر ذریعہ قرآن مجید ہے ویسا مستند اور معتبر ذریعہ حدیث نہیں ہے۔ اس لیے صحت کا اصلی معیار قرآن ہی ہونا چاہیئے۔" (تفہیمات ص ۳۲۹)

۸۔ احادیث کسی مسئلہ میں حجت نہیں قرار پا سکتیں۔" (ترجمان القرآن فروری سنہ ۴۶ء)

بعض گمراہ فرقے ایسے گذرے ہیں۔ جن کا دماغی توازن قائم نہیں ہوتا۔ وہ واقعات سے بالاتر ہو کر ایسی ادھیڑ بُنت میں لگے رہتے ہیں۔ جس میں مودودی صاحب لگے ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک کہتا ہے۔ ساری امت گمراہی پر جمع ہو سکتی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ:۔

"ہر ایک آدمی سے خطا ممکن الوقوع ہے۔ تو سب سے بھی ممکن ہے جیسے یہ کہا جائے۔ کہ ہر ایک حبشی سیاہ ہے۔ تو سب حبشی بھی سیاہ ہوں گے۔" (رسالہ اجتہاد و تقلید ثنائی ص ۳۳)

"دوسرا اس پر تصریح کرتا ہوا یہ کہتا ہے۔ کہ قرآن مجید جن کی معرفت ہم تک پہنچا ہے۔ وہ تعداد میں خواہ کتنے ہی ہوں۔ آخر تھے تو انسان ہی۔ انسان کے لئے جو فطرۃ اللہ نے حدیں مقرر کر رکھی ہیں۔ ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے قرآن کے کام محفوظ نہ تھے۔ اور جب ہر فرد انسان اس فطرت کے تحت ہے تو مجموعہ

بھی اس فطرت کے تحت ہے۔ اس بناء پر قرآن مجید میں بھی غلطی کا امکان ہو گیا!

(کتاب تعریف اہل سنت صفحہ ۳۲)

"تیسرا کہتا ہے۔ کہ نقل سے یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ منطق کی کتاب حمد اللہ کے صفحہ ۲۲۳ پر صناعت خمس کی بحث میں معتزلہ اور جمہور اشعریہ کا مذہب لکھا ہے اور ان کی دلیل یہ ذکر کی ہے۔ کہ اوّل تو ایک لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے پھر متکلم کے ارادے کا علم مشکل ہے۔ کہ اس نے کون سا معنے ارادہ کیا ہے۔ حقیقی یا مجازی عام یا خاص مطلق یا مقید اور کبھی یہ بھی شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید یہ حکم منسوخ ہو اور ناسخ کا علم نہ ہوا ہو۔ نیز ناقل بعض دفعہ جھوٹا ہوتا ہے۔ یا اس کی طبیعت میں تساہل (طبعاً سُست ہوتا) ہوتا ہے۔ اور اس کو ثقہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ ثقہ سے بھی غلطی ہو جاتی ہے۔

غرض اس قسم کے بہت سے شبہات ہو جاتے ہیں۔ تو نقل پر کس طرح الیقین ہو سکتا ہے۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک نہ علوم عربیہ کا کوئی مسئلہ قطعی ہے نہ اسلام کا کوئی عقیدہ یقینی ہے گویا جنّت، دوزخ، حساب، کتاب، حشر نشر کوئی بھی یقینی نہیں۔ اسی طرح نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ بلکہ اس بات پر بھی یقین نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ایک شخص مدعی نبوت عرب میں گذرے ہیں۔ اور ان پر یہ کتاب اُتری ہے جو اہل اسلام کے ہاتھ میں ہے۔ بلکہ اس پر بھی یقین نہیں۔ کہ مکہ مدینہ وہی شہر ہیں۔ جن میں قرآن مجید اُترا تھا بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جن لوگوں نے مکہ مدینہ قسطنطنیہ لندن وغیرہ شہر نہیں دیکھے۔ ان کو ان شہروں کے وجود پر یقین نہ ہو۔ کہ یہ بھی دُنیا میں شہر بس رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیجئے سب کچھ صفا ہو گیا ؎

مجرو سب سے اعلیٰ ہے ۔۔۔ نہ جورو ہے نہ سالا ہے

غرض اس قسم کی موشگافیاں کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں۔ جو وہم و خیالات کی عمارت اتنی بلند کرتے ہیں جو شاعرانہ تخیل سے بھی آگے گذر جاتی ہے۔ جس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ یعنی شاعر ہر جنگل میں حیران پھرتے ہیں۔ اب مودودی صاحب بھی اس میدان میں اُترے ہیں۔ اور قلم کی ایک جنبش سے دُنیا کا سارا سلسلہ ہی تہ بالا کر دیا ہے۔ کسی قابل اُستاد کی کفش برداری کی ہوتی۔ تو اتنی بڑی لغزش نہ کھاتے۔ جس سے اسلامی دفتر پر پانی پھر جاتا۔ فقہاء اور محدثین کی ظن کے متعلق ایک معمولی سی اصطلاح نہ سمجھنے کی وجہ سے یوں دماغ لڑانا شروع کر دیا ہے۔ کہ ثقہ غیر ثقہ ہو سکتا ہے۔ اور صحیح غیر صحیح وغیرہ وغیرہ اور یہ نہیں سمجھے کہ خدا کی خدائی میں کیا نہیں ہو سکتا۔ کیا محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کی مثل یا آپ کی اتباع سے نبی اب نہیں ہو

سکتا؟ وتبابعی سے نبی ہو سکتا ہے۔ کیا خدا اب قادر نہیں رہا؟ سوال تو ہونے سے ہے نہ ہو سکنے سے۔

بے شک ثقہ غیر ثقہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہے بھی کہ نہیں محدثین نے تو اپنی تحقیقات سے ثابت کر دیا کہ یہ ثقہ ہے۔ اب آپ اپنی تحقیقات کا نیا دفتر کھولیں۔ جس سے اس کے غیر ثقہ ہونے کا علم ہو۔ جب تحقیق کے تمام معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں۔ وہ محدثین نے استعمال کرتے ہیں۔ تو اب آپ کے ہاتھ میں امکان بھی نہ رہا۔

مودودی صاحب کیا سہل انگاری سے لکھتے ہیں :۔

"تھے تو انسان ہی۔ انسان کے لئے جو حدیں فطرت اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے"

تو جناب عالی آپ کون ہیں۔ فرشتہ ہیں یا مقام نبوت کو پہنچ گئے ہیں گر آپ کا مقام بھی انسانی حدود ہی ہیں۔ تو پھر آپ کا "ہو سکنا" محدثین کے ہونے کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ شاید آپ نے کسی عدالت میں پیش ہو کر کبھی کہا ہو گا کہ فلاں گواہ جس کو آپ معتبر سمجھ رہے ہیں۔ مجھے اس کی گواہی میں شک ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ غیر ثقہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہو۔ مارشل لا کے دنوں میں تو ضرور ایسا معاملہ پیش آیا ہو گا اور عدالت نے آپ کا یہ اعتراض معقول سمجھ کر ضرور تقدمہ خارج کر دیا ہو گا۔ اگر آپ انکار کریں اور کہیں کہ ایسا معاملہ پیش نہیں آیا۔ تو ہو سکتا ہے آپ بھول گئے ہوں ہو سکتا ہے کہ آپ کے حافظہ میں اختلاط آگیا ہو۔ اور اگر آپ کا یہ اعتراض عدالت نے نہیں سُنا۔ تو ہو سکتا ہے کہ آپ اپنا وقار قائم رکھنے کے لئے دیدہ دانستہ اس معاملہ کے پیش آنے سے انکار کرتے ہوں۔ تاکہ لوگوں میں خفت نہ ہو کہ عدالت نے اعتراض نہیں سُنا۔

مولانا صاحب! یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ایک بیڑہ سمندر میں جا رہا ہو۔ پھر ہو سکتا ہے کہ طوفان کے تھپیڑوں میں آکر پھٹ گیا ہو۔ پھر ہو سکتا ہے کہ ایک پھٹہ پر بیگانے دو مرد عورت رہ گئے ہوں۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی جزیرے میں اُترے ہوں اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیٹ کی فکر کی بجائے دوسری خواہش غالب آگئی ہو۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ متعہ جائز ہے۔ . . . . قارئین کرام! یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ بلکہ یہ متعہ کے جواز کی دلیل آج کل مولانا صاحب کے ماہوار رسالہ ترجمان القرآن کے صفحات کی زینت بنی ہوئی ہے۔

مولانا صاحب! آپ نے محدثین اور فقہا کے ظن کو اپنے روز مرہ کی بول چال کا ظن سمجھ کر کس قدر گمراہی پھیلائی ہے۔ کہ کوئی چیز بھی صحیح طریق پر نہیں رہ سکتی۔ یہ سب بے استادی کے نتائج ہیں۔

روایات سے کیا مراد ہے؟

سوال: بکر کہتا ہے کہ جو احادیث حدیث کی کتابوں میں ہمیں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کو ہم مختلف صحابہؓ کی روایات تو کہہ سکتے ہیں۔ مگر ان کو سُنّت یعنی طریقہ نبویہ نہیں کہہ سکتے اور نہ سنّت صحابہؓ کیا اس قسم کے الفاظ سے احادیث کا انکار لازم نہیں آتا؟ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر روایات کہنے سے بکر کی یہ مراد ہے کہ احادیث کے الفاظ طریقہ نبویہ کی حکایت اور بیان ہیں، اور طریقہ نبویہ ان کا مبین ہے اور محکی عنہ ہے تو یہ مطلب صحیح ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ یہ الفاظ طریقہ نبویہ کا بیان نہیں اور نہ صحابہؓ کے طریق کا ان سے پتہ لگتا ہے تو یہ غلط ہے اور یہ شخص گمراہ ہے۔ اس کو فوراً امامت سے الگ کر دینا چاہیئے اس طرح تو قرآن مجید بھی کوئی شے نہیں رہتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۵ جمادی الثانی سنہ ۱۳۸۰ھ

سید عبدالقادر جیلانیؒ

سوال: کیا شاہ عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی مقلد تھے؟

جواب: شاہ عبدالقادرؒ کو حنبلی کہنا غلطی ہے امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ولی مقلد نہیں ہوتا علاوہ ازیں وہ دو اماموں کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ وہ تقلید شخصی کے قائل نہیں تھے بلکہ دلیل کی رو سے جس کا مذہب راجح پاتے اس پر فتویٰ دیتے اور امام احمدؒ کے مذہب پر خاتمہ کا یہ مطلب ہے کہ اہل حدیث کے مذہب پر خاتمہ کر کیونکہ امام احمدؒ کا مذہب اوروں کی نسبت قرآن و حدیث کے زیادہ قریب ہے نیز وہ اصل اہل حدیث تھے۔ اس لئے شاہ ولی اللہؒ نے انصاف میں ان کو محقق اہل سنّت شمار کیا ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۰ رجب سنہ ۱۳۵۹ھ

اختلاف ائمہ اربعہؒ و اختلاف صحابہؓ

سوال: ائمہ اربعہؒ کا اختلاف مثل اختلاف صحابہؓ ہے یا اس میں فرق ہے؟

ابو محمد جے پوری

جواب: ائمہ اربعہؒ کا اختلاف قریب قریب صحابہؓ کے اختلاف کے ہے مگر امام ابوحنیفہؒ نے ذرا قیاس کو زیادہ دخل دیا ہے (کاش ایسا نہ کرتے) اس لئے اہل الرائے کہلائے۔ عبداللہ روپڑی (تنظیم)

مولانا تھانوی کا تعصّب

اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ میں مولانا ثناء اللہ صاحب نے مولوی اشرف علی تھانوی کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب مقیم تھانہ بھون تھانہ کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جبکہ آپ جامع العلوم کانپور میں مدرس تھے اور مولود کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ دیوبندی خیال کے ہو گئے آپ مسئلہ تقلید اور اہل حدیث کے متعلق جو کچھ فرماتے ہیں وہ محض سطحی ہوتا ہے۔ اہل حدیث سے آپ کو اتنا تنافر ہے کہ حافظ عزیز الدین صاحب مراد آبادی مصنف اکمل البیان آپ سے بیعت تھے موصوف کے غیر مقلد ہو جانے کی خبر جب ممدوح کو پہنچی تو آپ نے ان کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ چونکہ تم غیر مقلد ہو گئے ہو اس لئے میں اپنے سلسلہ بیعت سے تم کو خارج کرتا ہوں۔

محدث روپڑی نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا بعض احباب احناف وغیر احناف کہا کرتے ہیں کہ لوگ مولوی اشرف علی تھانوی سے بہت فیض اٹھاتے ہیں، آپ ان کو کیوں اچھا نہیں سمجھتے۔ اس کے جواب میں مولانا اشرف علی کی ایک دو عبارتیں سنا دیا کرتا ہوں چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے رسالہ مجموعہ جو دہ عشر طروس کے طرس عاشر مسئلہ پر لکھا ہے۔

اَمَّا الْمُصَنِّفُوْنَ فَاَنْفَعُهُمْ تَصْنِيْفًا لِلْعَوَامِ مولوی نا قطب الدین الدھلوی الی ان قال

واضرهم تَصْنِيْفًا الْمُجْرِيُوْنَ اَلْكِبَارُ مِنْهُمْ وَالصِّغَارُ وَغَيْرُ الْمُقَلِّدِيْنَ وَالْمُبْتَدِعُوْنَ

یعنی عوام کے لئے سب سے مفید تصانیف مولانا قطب الدین دہلوی مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبد الحی لکھنوی وغیرہ کی ہیں۔ اور سب سے زیادہ مضر تصانیف چھوٹے بڑے نیچریوں غیر مقلدوں اور اہل بدعت کی ہیں۔

اس سے آگے لکھا ہے۔

وَاَمَّا الْمَذَاهِبُ فَاَهْلُ الْحَقِّ مِنْهُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ اَلْمُنْحَصِرُوْنَ بِاِجْمَاعِ مَنْ يُّعْتَدُّ بِهِمْ فِي الْحَنَفِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ وَالْحَنَابِلَةِ وَاَهْلُ الْهَوَاءِ مِنْهُمْ غَيْرُ الْمُقَلِّدِيْنَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ اِتِّبَاعَ الْحَدِيْثِ وَاَنّٰى لَهُمْ ذَالِكَ۔

یعنی مذاہب میں اہل حق اہل سُنّت والجماعت ہیں۔ اور اہل ہوا گمراہ غیر مقلدین ہیں جو اتباع حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اتباع حدیث ان کو کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی یہ بے جرگی اہل حق کو گمراہ کہہ کر آپ اہل حق بنتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۳ھ

سوال :- امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں میں اختلاف کے وقت ترجیح کس کو ہوگی؟

جواب :- عبادات میں ہمیشہ فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہوگا اور مسائل ذوی الارحام میں امام محمدؒ کے قول پر مسائل وقف۔ قضا اور شہادات میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر اور سترہ مسئلوں میں امام زفرؒ کے قول پر چنانچہ رد المختار جلد ا صـ۵۳ اور جلد ۳ صـ۲۰۴ میں اس کی تصریح ہے۔ مگر صیاغیؒ اس کے خلاف ہیں۔ وہ نماز میں صرف امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ باقی مسائل خواہ عبادات ہوں یا غیر عبادات سب میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے ملاحظہ ہو رد المختار جلد ا صـ۱۹

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۰ رجب المرجب ۱۳۸۰ھ

سوال :- ابن عربیؒ کے اچھا ہونے کی نسبت علماء مختلف ہیں فیصلہ کن بات کیا ہے؟

جواب :- جب مسائل میں علماء کا اختلاف ہو جاتا ہے ایسے ہی کسی کی نسبت فتویٰ لگانے میں بھی اختلاف رائے ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان کی حالت ہمیشہ ایک نہیں رہتی۔ ایک وقت انسان سے لغزش ہو جاتی ہے تو دوسرے وقت رجوع کر لیتا ہے۔ کسی کو رجوع کا پتہ لگتا ہے۔ کسی کو نہیں لگتا جس کو لگ گیا۔ اس نے اس پر نیک گمان کیا اور دوسرا بدستور بدگمان رہا کبھی غلطی پر اطلاع نہیں ہوتی۔ تو انسان اسی طرح غلطی پر گذر جاتا ہے۔ جن کو حالات کا پورا علم نہیں ہوتا وہ تو صرف غلطی دیکھ کر بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اور جو پورے واقف ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ دیدہ دانستہ اس غلطی پر نہیں تھا۔ بلکہ اس کا باعث بے خبری تھی اور کبھی ایک بات ایک کی نظر میں گمراہی ہوتی ہے۔ دوسرے کی نظر میں گمراہی نہیں ہوتی۔ اس لئے بھی فتویٰ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ غرض اس قسم کے وجوہات پیدا ہو کر اختلاف رائے کا باعث بن جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ ہٹ دھرمی کے طور پر بھی کسی کو اچھا برا کہا جاتا ہے۔ مگر خیر امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ یا علامہ شوکانیؒ وغیرہ تو ایسے شخص نہ تھے۔ کہ ان کے فتویٰ اس قسم کے ہوں۔ ان کے فتوؤں کے وجوہات تو وہی پچھلے ہیں۔

اب ہمیں اس موقعہ پر کیا کرنا چاہیئے۔ جو بات ان کی غلط ہے۔ اس کو غلط کہنا چاہیئے اور ان کی ذات

کی نسبت اس آیت پر عمل کرنا چاہیے۔

تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔ یہ امت تحقیق گزرچکی اس کے لئے ہے جو کچھ اس نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو کچھ تم نے کمایا اور تم ان کے عمل سے نہیں پوچھے جاؤ گے۔ لہ

عبداللہ امرتسری روپڑی ۹ فروری ۱۹۶۰ء

سوال **شریعت اور طریقت** الگ الگ دو مفہوم ہیں یا ایک ہی مفہوم کے دو الگ الگ نام ہیں؟

جواب:- یہ مسئلہ بہت تفصیل طلب ہے ہم اس پر کچھ زیادہ لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن عدیم الفرصت کے باعث مختصر مضمون پر اکتفا کرتے ہیں۔ پھر کسی فرصت کے وقت اس پر زیادہ روشنی ڈالی جائے گی۔ انشاء اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد خیر قرون میں شریعت۔ طریقت، حقیقت، معرفت وغیرہ کوئی خاص اصطلاحیں نہ تھیں صرف شریعت کا لفظ دین کے معنی میں استعمال ہوتا تھا باقی الفاظ قریباً اپنے لغوی معنی پر تھے۔ اس کے بعد جیسے فقہاؤں نے احکام کے درجات بتلانے کی غرض سے فرض واجب وغیرہ اصطلاحات مقرر کیں اسی طرح صوفیائے کرام نے تہذیب اخلاق یعنی علم تصوف میں سلوک عبد کے درجات ظاہر کرنے کی غرض سے یہ الفاظ مقرر کئے۔ مثلاً شریعت عقائد اور ظاہری احکام کا نام رکھا جیسے نماز — روزہ وغیرہ طریقت ان پر عمل کرنے میں ریاضت اور مجاہدہ نفس کرنا اور اپنے اندر اخلاص اور للّٰہیت پیدا کرنا۔ حقیقت ان کے اسرار پر مطلع ہو کر اپنا عمل اس کے مطابق کرنا جیسے شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ان احکام کے اسرار لکھے یا نفس اور دل کے امراض پر مطلع ہو کر ہر ایک مرض کا مناسب علاج کرنا اور باطنی صحت کو قائم رکھنے کے اسباب پیدا کرنا۔ معرفت۔ کشف اور مراقبہ کی حالت ہے جو یقین اور اطمینان قلبی کا اعلیٰ مقام ہے اس وقت اللہ کے سوا کسی شئے کی طرف نظر نہیں رہتی اور ذکر الٰہی میں وہ حلاوت اور لذت پاتا ہے کہ کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی بلکہ ذکر الٰہی ایک طرح سے اس کی غذا ہو جاتا ہے جس کے بغیر اس کی زندگی مشکل ہے۔

مثال ان چار مراتب کی مثال درخت کی سی ہے۔ مثلاً درخت کے لئے جڑیں اصل تنا ہے ان کے بغیر درخت کا وجود ہی نہیں۔ پھر ٹہنے اور شاخیں ہیں یہ بھی درخت کے لئے لازمی ہیں۔ پھر پھل ہے پھر اس کی لذت ہے۔ ٹھیک اسی طرح تصوف ہے۔ شریعت کے بغیر تو تصوف کوئی چیز ہی نہیں نہ وہاں طریقت ہے نہ حقیقت نہ معرفت کیونکہ شریعت بمنزلہ جڑھ اور تنے کے ہے۔ اس کے بعد طریقت کا مرتبہ ہے جو بمنزلہ

لہ محدث روپڑی کی اپنی رائے ہے ورنہ بعض علماء نے اختلاف کی بنا پر ابن عربی پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ (ع)

ٹہنیوں اور شاخوں کے ہے۔ اس کے بغیر بھی تصوف کالعدم ہے پھر حقیقت پھل کے قائم مقام ہے اور معرفت اس کی لذت کے قائم مقام ہے۔ جیسے درخت پھل اور اس کی لذت کے بغیر کامل نہیں اسی طرح بندہ بھی خدا کے نزدیک کمال کو نہیں پہنچتا جب تک اس کے اندر حقیقت اور معرفت پیدا نہ ہو جائے۔

چار قسم

یہ چار قسمیں اس وقت ہوں گی جب طریقت کو اور معرفت کو بھی علم تصوف کی شاخیں شمار کریں۔ اگر طریقت کے معنے علم تصوف کے لیں جیسے اکثر صوفیاء استعمال کرتے ہیں تو اس وقت علم تصوف کی صرف تین قسمیں ہوں گی۔ شریعت، حقیقت، معرفت۔ اگر معرفت کو حقیقت سے الگ شمار نہ کریں بلکہ حقیقت ہی میں داخل کریں، تو بھی علم تصوف کی صرف تین قسمیں ہوں گی شریعت، طریقت، حقیقت۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی شرح فتوح الغیب میں فرماتے ہیں دین ایک ہے اور شریعت، طریقت، حقیقت اس کے مراتب اور درجات ہیں (ملاحظہ ہو بلاغ المبین تصنیف شاہ ولی اللہ صاحب ص۴۹ ملخصاً) شیخ عبدالحق صاحب نے معرفت کو الگ شاخ شمار نہیں کیا گویا اس کو حقیقت میں داخل کر دیا۔

علم کی قسمیں

شیخ علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری کشف المحجوب ص۲۳ میں شیخ محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں علم تین ہیں۔ علم باللہ، علم من اللہ، علم مع اللہ یعنی علم توحید۔ علم شریعت، علم مقامات اولیاء جس کو زہد اور تقویٰ کہتے ہیں (ملخصاً)

کشف المحجوب کے صفحہ ص۴۱ میں فرماتے ہیں کہ شریعت اور حقیقت میں کسی نے فرق نہیں کیا کہ آپس میں جدا ہو سکیں، کیونکہ شریعت حقیقت کے بغیر نہیں اور حقیقت شریعت کے بغیر نہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ حقیقت ہے اور محمد رسول اللہ شریعت ہے اور شریعت معرفت دونوں حقیقت کی شاخیں ہیں۔ انتہیٰ۔

انہوں نے بھی علم تصوف کی تین قسمیں کر دی ہیں۔ شریعت، حقیقت، معرفت، لیکن ان کے نزدیک حقیقت کا معنے وہ نہیں جو اوپر بیان ہوا بلکہ حقیقت کے معنی علم توحید کے ہیں۔ اسی سے شریعت اور معرفت کو اس کی شاخیں قرار دیا ہے کیونکہ جو شخص خدا کو نہ مانے اس کے نزدیک نہ شریعت نہ معرفت کچھ بھی نہیں۔

کشف المحجوب میں ایک اور جگہ علم تصوف کی صرف دو قسمیں ظاہر باطن کر کے دونوں کو حقیقت کہہ دیا ہے چنانچہ ص۱۲ میں کہا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں ظاہری، باطنی۔ ظاہری کے بھی اصول و فروع ہیں۔ باطنی کے بھی اصول فروع ہیں۔ ظاہری کا اصول کلمہ شہادت ہے۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ اور فروع لوگوں کے ساتھ معاملات میں درستی رکھنا اور باطنی کا اصول معرفت الٰہی کی تحقیق اور فروع نیت کا نیک اور

صحیح کرنا۔ اور ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے بغیر پایا جانا محال ہے ظاہر باطن کے بغیر نہیں پایا جا سکتا۔ اور باطن ظاہر کے بغیر نہیں پایا جا سکتا۔

علم حقیقت کے تین رکن

پھر علم حقیقت کے تین رکن ہیں

۱۔ اللہ کی ذات کو جاننا کہ وہ موجود ہے اور ایک ہے۔

۲۔ خدا کی صفات کو جاننا اس کے احکام کو ماننا اور بجا لانا۔

۳۔ اس کے فعلوں کو اور اس کی حکمت کو جاننا (انتہیٰ ملخصاً ص۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ جیسے طریقت کا استعمال علم تصوف کے معنوں میں ہوتا ہے ایسے حقیقت کا استعمال بھی کبھی انہی معنوں میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد کشف المحجوب میں فصل باندھ کر لکھا ہے کہ علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں۔ قرآن مجید، حدیث شریف، اجماع۔ خداوند تعالیٰ کی ذات اور صفات اور افعال کے ثابت کرنے پر خداوند تعالیٰ کا قول ہی دلیل ہے۔ (انتہیٰ ملخصاً ص۱۲) آگے چل کر سنت اور اجماع کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم شریعت علم حقیقت کے دلائل ہیں اسی طرح اور بزرگوں نے بھی ان الفاظ کے معانی انہی کے قریب قریب لکھے ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت خواہ الگ الگ شاخیں ہوں یا ایک ہوں اور الگ ہونے کی حالت میں چار ہوں یا کم ہوں، کسی صورت میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ جو ایک دوسرے سے جدا ہونے کے قائل ہیں وہ ان کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اللہ ان کو سمجھ دے اور راہ راست کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ایک شبہ اور اس کے کئی جواب

بعض لوگ شریعت اور طریقت کے الگ ہونے پر موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جو قرآن مجید میں سورہ کہف میں مذکور ہے۔ خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام ایک کشتی پر سوار ہوئے کشتی والوں نے مفت سوار کر لیا۔ خضر علیہ السلام نے اس کشتی کا ایک تختہ نکال دیا اور اس کی جگہ کیلا گاڑ دیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا کہ کیا کشتی کا تختہ تو نے اس لئے نکالا ہے کہ کشتی والے ڈوب جائیں؟ یہ بہت بڑا کام کیا پھر خضر علیہ السلام نے ایک چھوٹے بچے کو قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو نے ایک بے گناہ

کو کیوں مارا؟ پھر خضر علیہ السلام نے ایک دیوار کو جو گرنے والی تھی درست کر دیا اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ بھی ٹھیک نہیں کیا کیونکہ ان بستی والوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا۔ ہم کھانے کے محتاج تھے ان سے مزدوری لینی چاہیئے تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت اور چیز ہے طریقت اور چیز ہے۔ آج کل علماء کے اعتراضات صوفیاء پر اسی قسم کے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام پر کئے۔

جواب اوّل

مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ پہلے نبی خاص خاص قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کی طرف بھیجے گئے۔

قرآن مجید میں بھی ہے۔ قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (سورہ اعراف رکوع ۲۰) تو کہہ دے اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں؛

وما ارسلناک الا کافۃ للناس (سورہ سباء رکوع ۳) ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے:

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (سورہ انبیاء رکوع اخیر) ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت:

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا (سورہ فرقان رکوع ۱) برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا تاکہ تمام جہانوں کے لئے نذیر ہو جائے۔"

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہی قرآن مجید تمام جہانوں کے لئے ہے کوئی اس قرآن سے باہر نہیں نکل سکتا کیونکہ اس قرآن کی غرض تمام جہانوں کو ڈرانا بتلائی ہے:

ایک اور آیت میں ہے۔ واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ (سورہ انعام رکوع ۲) میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعے تمہیں ڈراؤں اور جس کو قیامت تک یہ قرآن پہنچ جائے اس کو بھی میں ڈراؤں، یعنی قرآن کا پہنچنا گویا میرا ڈرانا ہے۔

مشکوٰۃ میں حدیث ہے عن ابی جحیفۃ قال سالت علیا ھل عندکم شیء لیس فی القرآن فقال والذی فلق الحبۃ وبرا النسمۃ ما عندنا الا ما فی القرآن الا فھما یعطی رجل فی کتابہ وما فی الصحیفۃ قلت وما فی الصحیفۃ قال العقل وفکاک الاسیر وان لا یقتل مسلم بکافر رواہ البخاری (مشکوٰۃ کتاب القصاص ص ۲۹۶)

"ابو جحیفہ کہتے ہیں میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کے پاس قرآن مجید کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ فرمایا اُس ذات کی قسم جس نے دِرزمین میں) دانہ پھاڑا اور جاندار کو پیدا کیا۔ ہمارے پاس سوا قرآن کے کچھ نہیں مگر سمجھ ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں دیدے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے کہا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا۔ دیت۔ قیدی کا چھڑانا اور یہ کہ مسلمان کافر کے بدلے نہ مارا جائے"

مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ خاص طور پر ہمارے پاس کچھ نہیں کیونکہ قرآن میں کچھ بھی کسی کے ساتھ خاص نہیں اور دیت وغیرہ کے احکام بھی کوئی خصوصیت نہیں رکھتے:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب دُنیا کے لئے رسول ہیں اور قرآن سب کے لئے ہے تو خضر علیہ السلام پر قیاس صحیح نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اس طرح عام نہ تھی۔

دوسرا جواب

مقام نبوّت میں اور مقام ولایت میں فرق ہے نبی کا الہام کشف خواب وغیرہ سب وحی ہے۔ ولی کے الہام کشف وغیرہ میں شیطان کا دخل بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے بلعم بن باعورا جیسے مستجاب الدعوت کو شیطان نے گمراہ کر دیا جس کا قصہ قرآن مجید سورہ اعراف رکوع (۲۲) میں ہے۔ اسی طرح برصیصا گمراہ ہو گیا جس کا ذکر سورہ حشر رکوع ۳ میں ہے اسی طرح اور کئی ولیوں کا خاتمہ خراب ہو گیا۔ نبی کی وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے۔ خضر علیہ السلام صحیح قول کی بنا پر چونکہ نبی تھے اس لئے ان کے کام پر اعتراض نہ ہو سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب کوئی ولی بزرگ شرع کا خلاف کرے تو اس پر بھی اعتراض نہ ہو سکے:

تیسرا جواب

مثلاً ایک شخص کسی کے مہمان آیا دو چار روز رہا دیکھا کہ اس کی بیوی نماز نہیں پڑھتی خاوند کو بھی کوئی غیرت نہیں۔ خاوند پر اعتراض کرتا ہے کہ تم بڑا کرتے ہو تمہاری بیوی نماز نہیں پڑھتی تم اس کو کچھ نہیں کہتے۔ خاوند جواب دیتا ہے کہ وہ ایام حیض میں ہے۔ اس لئے نماز نہیں پڑھتی۔

بتلایئے خاوند کا سکوت کرنا اور اپنی بیوی کو کچھ نہ کہنا یہ شرع کے خلاف ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ عین شرع کے مطابق ہے اور اعتراض کرنے والے کا اعتراض بھی بظاہر ٹھیک ہے جس کی وجہ سبب کی ناواقفی ہے۔ اسی طرح ایک شخص نے ایک شخص کو مار ڈالا دیکھنے والوں نے اعتراض کیا کہ تو نے بڑا ظلم کیا۔ اُس نے کہا کہ یہ فلاں شخص کو

ہے۔ اس پر سب خوش ہو گئے بلکہ اس کو انعام کا مستحق سمجھا۔ ٹھیک اسی طرح خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ عین شرع کے مطابق تھا کیونکہ کشتی کا تختہ اس لئے نکالا کہ آگے ایک ظالم بادشاہ تھا۔ وہ ہر صحیح سالم کشتی کو بیگار میں پکڑ لیتا۔ اور لڑکے کو اس لئے قتل کیا کہ اس نے بڑا ہو کر ماں باپ کو سرکش اور کافر بنانا تھا۔ اور دیوار کو مفت اس لئے درست کیا کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ تھا اگر درست نہ کی جاتی تو گر جاتی اور لوگ خزانہ نکال کر لے جاتے خضر علیہ السلام کو خدا کی طرف سے اس قسم کی باتوں کا علم ہو جاتا موسیٰ علیہ السلام کو نہیں تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھی ظاہر کے لحاظ سے ٹھیک ہے۔ اب بھی اسی پر عمل چاہیئے جب کسی کا عمل بظاہر شرع کے خلاف دیکھے فوراً کہے تاکہ دوسرا آگے سے اس کی وجہ بیان کر دے اور بدگمانی دور ہو جائے۔ اگر طریقت والے خضر علیہ السلام کی طرح اپنے عمل کو شرع کے مطابق کر دیں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے حتیٰ احدث لک منہ ذکرا یعنی خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ جو کام میں کروں گا اس کی وجہ میں خود ہی بیان کروں گا تم نے سوال نہ کرنا یعنی خضر علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ میرا کام شرع کے خلاف نہیں سبب سے ناواقفی کی بنا پر تم اعتراض نہ کرنا میں خود ہی تمہاری تسلی کروں گا لیکن موسیٰ علیہ السلام سے پہلی دفعہ اعتراض نسیاناً ہوا پھر آپ نے دیکھا کہ میں اس علم سے کسی اہم نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے جدائی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شرط وغیرہ کی پرواہ نہیں کی پھر حضرت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا شرع کے ماتحت کیا۔ اس سے طریقت کا شرع کے خلاف ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ خضر علیہ السلام کا یہ قول یعنی کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اعتراض نہ کرنا میں تمہاری تسلی کر دوں گا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خواہ کوئی کتنا بڑا ہو شرع کی مخالفت کرنے کا مجاز نہیں۔

(۲) طریقت کو شرع سے الگ بنا کر شرع کی مخالفت کرنا اس فتنے کا دفعیہ صحابہ کے زمانہ میں اجماعِ صحابہ کے ساتھ ہو چکا ہے۔ چنانچہ عمرؓ کی خلافت کے دنوں میں ایک بدری (جنگ بدر میں شریک ہونے والے) صحابی نے شراب پی لی۔ بدریوں کی بابت رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بخشے ہوئے ہیں۔ جب وہ پکڑ کر لایا گیا تو کہنے لگا میں بخشا ہوا ہوں مجھ پر حد نہیں لگ سکتی کیونکہ میں گنہگار نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اور باقی سب صحابہ نے اس کا یہ عذر قبول نہیں کیا اور اس پر حد جاری کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی کتنا ہی مقرب ولی ہو اور پرہیزگار شخص ہو وہ احکام شرعیہ میں باقی عوام خواص کے برابر ہے۔ اس کے کرنے سے برا کام اچھا نہیں ہو سکتا اور شرعی مواخذہ دنیا میں اس سے ساقط نہیں ہوگا۔ ہاں آخرت میں خدا کے سپرد ہے خواہ بخشے یا عذاب دے۔

اس موقعہ پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دو فرقے غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں جیسے خارجیوں اور رافضیوں

کا حال ہے. خارجی طبیعت والا خدا کے نیک بندوں سے ایسا بغض رکھتا ہے کہ خواہ وہ کیسے ہی بزرگ ہوں اُن کا ایک آدھ عیب لے کر اُن کو بُرا کہتا ہے اور کسی بات میں ان کو قابلِ اقتدا نہیں جانتا. رافضی خیال کہتا ہے کہ فلاں شخص جو کچھ کرے اچھا ہے اور واجب الاتباع ہے. اگر وہ کہے کہ شراب سے مصلا رنگ لے تو رنگ لینا چاہیئے کیونکہ وہ بے خبر نہیں اس میں کوئی راز ہے. انہی سے بعض اُٹھتے بیٹھتے یا بھاؤ الدین مشکل کشا کا ورد کرتے ہیں اور اپنے آپ کو خواجہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مجبوں سے سمجھتے ہیں کوئی یا نظام الدین اولیا زری زر بخش کا ورد کرتے ہیں یعنی اے نظام الدین اولیا زری سونا بخش. بعض نے ہر ضرورت کے لئے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ گھڑ لیا ہے خبردار یہ تمام افترا اور بہتان ہے بزرگانِ طریقت سے یہ بالکل ثابت نہیں کسی ثقہ نے ان سے اس کی روایت نہیں کی بلکہ معتبر کتابوں میں جو کچھ ان کے احوال درج ہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو غیر اللہ کی طرف نظر ڈالنے سے منع کرتے تھے ابن عربی عوارف المعارف میں لکھتے ہیں کہ مریدِ راست باز اور مخلص بندہ نہیں بنتا جب تک شریعت کی پوری پابندی نہ کرے اور اپنی نظر مخلوق سے نہ ہٹائے. ابتدائی مراحل طے کرنے والوں پر جو گمراہی کی آفت آتی ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کی نظر مخلوق کی طرف ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں حدیث پہنچی ہے کہ بندے کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک اس کی نظر میں تمام لوگ مینگنیوں کی طرح نہ معلوم ہوں اور اپنے نفس کو اس سے بھی چھوٹا نہ دیکھے؛

مولانا جامی نے نفحات الانس میں ———— خواجہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا کا مجاور بننے بندوں کے مجاور بننے سے زیادہ لائق ہے یعنی مسجدوں میں بیٹھنا چاہیئے نہ قبروں میں. تو قبروں کی پرستش کب تک کرے گا خدا کے مردوں جیسے کام کر یعنی شریعت پر چل؛

شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو مشائخ کے سردار اور اولیاء اللہ کے سرگروہ ہیں فتوح الغیب میں فرماتے ہیں جو دُنیا اور آخرت میں سلامتی چاہتا ہے وہ صبر اور رضا بالقضا کو اپنا شیوہ بنائے اور مخلوق کے پاس اپنی مصیبت کی شکایت اور اپنی ضرورتوں کا پیش کرنا ترک کر دے. اور خدا کی طرف سے کشادگی کی انتظار کرے کیونکہ خدا غیر سے بہتر ہے؛

آج کل عجیب بات یہ ہو گئی ہے کہ پیر پرست قرآن و حدیث کے مقابلہ میں عقلی ڈھکوسلوں سے کام لیتے ہیں. کہتے ہیں اولیاء اللہ کے ارواح اگرچہ مخلوق ہیں. لیکن بوجہ قربِ الٰہی کے ان کو پکارنا اور ان سے حاجات

کی درخواست کرنا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اولیاء اللہ کو خدا کی طرف سے یہ قدرت ہے کہ کمان سے تیر نکلا ہوا لوٹا دیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اگر خدا تجھے دُکھ پہنچائے تو اس کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں، اگر خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر ساری دُنیا تجھے نفع پہنچانے میں کوشش کرے جو نفع خدا نے تیرے لئے نہیں لکھا تو وہ اس پر قادر نہیں اگر ساری دُنیا تجھے دُکھ پہنچانا چاہے جو خدا نے تیرے لئے نہیں لکھا تو اس پر بھی ان کو قدرت نہیں یہ حدیث ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں ابن عباسؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا سبق پڑھاتے ہوئے فرمایا اے لڑکے! خدا کو یاد رکھ خدا تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد کر اللہ کو سامنے پائے گا جب سوال کرے اللہ سے سوال کر جب مدد چاہے اللہ سے چاہ جو کچھ ہونا تھا اس کے ساتھ قلم خشک ہو گیا۔ یہ حدیث پوری کتب حدیث میں اور فتوح الغیب میں موجود ہے شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو ذکر کرکے لکھتے ہیں، ہر مومن کو چاہیئے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ اور اپنے بدن کے اندر اور باہر کا کپڑا بنائے۔ اور اپنی بات چیت میں اس کا خیال رکھے پس اپنے تمام حرکات سکنات میں اس پر عمل کرے تاکہ دُنیا اور آخرت میں سلامت رہے اور دونوں جہان میں خدا کی رحمت سے عزت پائے جو شخص بزرگوں سے سوال کرتا ہے وہ خدا سے جاہل ہے۔ اس کا ایمان، اس کی معرفت اس کا ایمان کمزور ہے اور حوصلہ کم ہے۔ اس حدیث اور شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے اس کلام سے صاف معلوم ہوا کہ پیر پرستوں قبر پرستوں کا رشتہ نہ شریعت سے ہے نہ طریقت سے ہے:

اگر یہ لوگ ملاحدہ کی طرح کہیں کہ جس مقام میں ہم ہیں یہ حقیقت ہے جو شریعت اور طریقت سے الگ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ فتوح الغیب میں لکھتے ہیں جس حقیقت کے لئے شریعت سے گواہی نہ ہو وہ کفر اور الحاد ہے:

شیخ عبدالحق دہلوی مرحوم اس کی شرح میں لکھتے ہیں حقیقت شریعت سے الگ نہیں بلکہ حقیقت اصل میں شریعت ہے۔ ایمان والے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کی تہ کو پہنچتے ہیں، اگر کسی کو شریعت کے خلاف کشف ہو تو وہ جھوٹ ہے اور باطل ہے اور اس کا اعتقاد کرنے والا کافر ہے۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہت دفعہ وجدانی نکتہ مجھ پر کھلتا ہے اور بہت اچھا معلوم ہوتا ہے مگر میں اس کو دو گواہوں عادل کی گواہی کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ ایک کتاب اللہ دوسرا سنت رسول اللہ۔

اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مراقبہ اور توحید کا مرتبہ شرعی حدود کی حفاظت کے ساتھ صدیقوں اور

عارفوں کا مقام ہے جو اہل تحقیق ہیں۔ بعض لوگ اس مقام میں پریشان ہوجاتے ہیں بعض اپنے آپ کو دائرۂ اسلام سے باہر کر دیتے ہیں خلاصہ یہ کہ شریعت، طریقت الگ شئے نہیں بلکہ دین ایک ہے اور یہ اس کی شاخیں اور مراتب اور درجات ہیں۔ اللہ حق کہتا ہے اور سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔

ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جو باطن ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل ہے اور اسی کے موافق سیر المشائخ میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمول کے موافق ملتان کی ایک مسجد میں صبح کی نماز کے لئے گئے۔ امام ایک رکعت پڑھ چکا تھا، وہ دوسری رکعت میں شامل ہوئے جب امام التحیات بیٹھا تو وہ سلام سے پہلے ہی اُٹھ کر دوسری رکعت ادا کرنے لگے جب فارغ ہوئے تو امام نے کہا اے شیخ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اُٹھنا جائز نہیں شاید امام کے ذمہ سجدہ سہو ہو جس میں مقتدی کی شرکت بھی ضروری ہے اس لئے پہلے نہ اُٹھنا چاہیئے۔ شیخ نے کہا اگر نور باطن سے معلوم ہو جائے کہ امام کے ذمہ اس نماز میں کوئی سجدہ سہو نہیں تو اس وقت پہلے اُٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام نے کہا اے شیخ جو نور خلاف شرع ہو وہ اندھیرا ہے نُور نہیں۔

شیخ ابو عبد اللہ حارث بن اسدی محاسبی رحمۃ اللہ علیہ جو علماء مشائخ سے ہیں اور متقدمین اہل طریقت سے ہیں۔ فرماتے ہیں جس کا باطن مراقبہ اور اخلاص سے صحیح ہو گیا اُس کے ظاہر کو اللہ تعالیٰ ریاضت اور اتباع سُنّت کے ساتھ خوبصورت کر دیتا ہے۔

ابو حفص کبیر حداد جو اہل طریقت کے شیخوں سے ہیں۔ فرماتے ہیں جو شخص اپنے اقوال، افعال اور احوال کو دو ترازوں، کتاب سنّت کے ساتھ نہ تولے اور اپنے خیالات پر غلط ہونے کی تہمت نہ لگاتے۔ تم اس شخص کا شمار مردوں کے دفتر میں نہ کرو۔

شیخ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جو مشائخ میں سُلطان العارفین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں فرماتے ہیں۔ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ قسم قسم کرامات دیا گیا ہے یہاں تک کہ ہوا میں بیٹھتا ہے پانی پر چلتا ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہ کرو جب تک یہ نہ دیکھو لو کہ امر نہی کی پابندی اور حدود کی حفاظت اور احکام شرعیہ کی ادائیگی میں کیسا ہے۔

سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو تمام اہل طریقت کے پیشوا ہیں فرماتے ہیں مخلوق کی سانس کی گنتی قدر خدا کی طرف راستے ہیں۔ اور سب بند ہیں۔ مگر جو رسول کے قدم بقدم چلا اس کا راستہ خدا تک پہنچتا ہے۔
ان بزرگوں کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ سُنّت رسول کی پیروی واجب ہے۔ اور امر نہی شرعی کی پابندی

لازم ہے اور مخالف شرع کے ہاتھ پر خرق عادات ظاہر ہونے سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے کیونکہ قرآن میں ہے کہ
ظاہر باطن ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو۔ بلکہ بیہقی شعب الایمان میں حدیث لائے ہیں کہ جو بدعتی کی عزت کرے، اُس نے
دین اسلام کے گرانے پر مدد کی۔ بزرگان دین اس میں بہت احتیاط کرتے تھے:

کہتے ہیں حسین بن منصور حلاج بڑا عابد تھا، ہر رات ہزار رکعت نفل پڑھتا جب اس کی زبان سے انا الحق
(میں خدا ہوں) کا کلمہ نکلا تو سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اور دوسرے بزرگوں نے اُس کے قتل کا فتویٰ
دے دیا اور سولی پر کھینچ دیا:

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین اولیاء سے لوگوں نے پوچھا کہ حسین
ابن منصور حلاج کا کیا حکم ہے۔ فرمایا مردود ہے جنیدؒ نے اس کو مردود کہا، جنیدؒ اپنے زمانے کا پیشوا تھا۔ اُس کا مردود
کہنا سب کا مردود کہنا ہے:

اخبار الاخیار میں شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ منصور کو کسی
نے نہ پایا کہ اُس کی دستگیری کرتا۔ اور جو اُس کو غلطی لگی تھی اس سے اس کو روکتا۔ میں اس زمانہ میں ہوتا تو اس کی
دستگیری کرتا۔ تاکہ وہ اس حد تک نہ پہنچتا اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت کے مرشد جس بات کو حق سمجھتے ہیں اور اسکو عین معرفت توحید
سمجھتے ہیں یا ان پیروں کے نزدیک گمراہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ مدعی جیسے سنت نبوی کے خلاف کرتے
ہیں ایسے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے بھی مخالف ہیں۔ اور ان کا اپنے بزرگوں کی نسبت محبت کا دعویٰ کرنا صرف زبانی
ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ منافقوں کی بابت فرماتا ہے۔ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں۔ جو ان کے دلوں میں نہیں:

شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے کافی ہے اس سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ خدا نے اپنے بندوں کو اپنے
خیال پر نہیں چھوڑا کہ جس طرح کوئی چاہے اپنے طور پر ریاضت محنت کر کے خدا سے جا ملے۔ بلکہ خدا نے اپنی طرف پہنچنے
کا رستہ خود بتلایا ہے۔ اور رسولوں کی معرفت اس کا بیان اپنے ذمہ لیا ہے۔ جو شخص اس کے رستے پر چلے وہ خدا کو مل
سکتا ہے۔ جو اس کے خلاف کرے۔ وہ دنیا آخرت دونوں جہان میں گمراہ ہے۔ اگر دُنیا میں اس پر کوئی حد جاری
ہوتی ہو۔ تو جاری کی جائے گی۔ آخرت میں اگر جرم قابل معافی نہ ہوا تو برابر سزا بھگتے گا۔ چھوٹے بڑے کی اس میں کوئی
تمیز نہیں۔ خواہ کوئی کتنا بڑا ہو اس رستے سے بھٹکنے کے بعد اس کی بڑائی چھٹائی سے بدل جائے گی۔

تفسیر خازن میں ہے موسیٰ علیہ السلام نے وعظ میں کہا یا بنی اسرائیل من سرق قطعنا یدہ ومن
افترى جلدناه ثمانين ومن زنى وليست له امرأة جلدناه مائة ومن زنى وله امرأة رجمناه الى ان يموت فقال قارون و

ان كنت انت قال وان كنت انا (تفسير خازن جلد ۳ صـ۲۳۲)

اے بنی اسرائیل جو شخص چوری کرے ہم اس کا ہاتھ کاٹیں گے۔ جو کسی پہ زنا کی تہمت لگائے۔ اس کو اسّی دُرّے ماریں گے جو زنا کرے اور اس کی بیوی نہ ہو۔ اس کو سو دُرّے ماریں گے۔ جو زنا کرے اور اس کی بیوی ہو۔ اس کو پتھروں سے ماریں گے۔ یہاں تک کہ مر جائے۔ قارون نے کہا۔ اگرچہ آپ ہوں۔ فرمایا اگرچہ میں ہوؤں۔

خیال فرمائیں۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی بھی مخالفت کی صورت میں نہیں بچ سکتے تو باقی لوگ کس گنتی میں ہیں۔ اسی طرح جنگ بدر کے موقعہ پر فدیہ لے کر قیدیوں کے چھوڑنے پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ لولا كتاب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم۔ اگر پہلے لکھا نہ ہوتا کہ (خدا اطلاع دئے بغیر نہیں پکڑتا) تو جو کچھ تم نے لیا ہے۔ اس میں تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔ تفسیر خازن اور مدارک میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

قال رسول الله صلے الله عليه وسلم لو نزل عذاب من السماء ما نجا منه غير عمر و سعد بن معاذ (تفسير خازن و مدارك جلد ۳ صـ۳۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آسمان سے عذاب اُترتا تو عمر اور معاذ کے سوا کوئی نجات نہ پاتا۔

چونکہ حضرت عمرؓ اور معاذؓ اور عبداللہ بن رواحہ کی رائے فدیہ لینے کی نہ تھی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب آتا تو عمرؓ اور معاذؓ کے سوا کوئی نہ بچتا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر جیسے بھی نہ بچتے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوتے:

بتلائے اس اُمّت میں حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر کون ہے۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو دوسرے پیر فقیر وغیرہ سے کس طرح سبکدوش ہو سکتے ہیں خاص کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوں تو کتنے خوف کا مقام ہے۔ تفسیر خازن میں اسی محل میں ایک صفحہ پہلے مسلم کی حدیث ذکر کی ہے کہ دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رو رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ فرمایا تیرے ساتھیوں پر روتا ہوں۔ فدیہ لینے کی وجہ سے جو ان پر عذاب آنا تھا۔ وہ مجھے اس درخت کے قریب دکھایا گیا۔

لہ عبداللہ بن رواحہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ حضرت عمرؓ کے تابع تھے اور معاذؓ چونکہ دوسری قوم سے تھے یعنی انصاری تھے۔ اس لئے ان کی رائے مستقل سمجھی گئی ۱۲